جلد ۱۰۹ جولائی ۱۹۸۸ء عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ادارۂ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور

سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

طویل انتظار کے بعد چھپ کر آ گئی ہے۔

جلد اوّل ——— بنیادی مباحث
جلد دوم ——— حضورؐ کی ولادت سے ہجرت تک

- ضخامت جلد اوّل ——— ۷۶۴ صفحات
- ضخامت جلد دوم ——— ۷۶۴ صفحات

دونوں جلدیں نقشے اور تصاویر سے مزین

قیمت فی سیٹ : ۲۰۰/- روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار۔ لاہور

فہرست مضامین

جلد ۱۰۹ | جولائی ۱۹۸۸ء مطابق ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ | عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن - رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ -/۳ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

لیبر فیڈریشن دیر کے صدر محترمی رحمت اللہ صاحب نے بڑی صاف دلی سے ایڈیٹر ترجمان القرآن کو ایک خط لکھا جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ نے جائزۂ حالات کے سلسلے میں اشارات کی جو اقساط لکھنی شروع کی ہیں انہیں پڑھ کر مجھ پر پاکستان کے شاندار مستقبل کے بارے میں مایوسی چھا گئی ہے۔ پھر انہوں نے بعض سیاسی اور عوامی جملے لکھ کر پوچھا ہے کہ ایسے پہلوؤں کے ہوتے ہوئے آپ نے اس طرح کیوں لکھا؟

محترمی رحمت اللہ صاحب! جب کوئی فوج کسی طرف اقدام کرتی ہے تو اس کے کچھ لوگ ہر طرف گھوم پھر کر جائزہ لیتے ہیں۔ پھر رپورٹ پیش کرتے ہیں کہ یہاں مشرق کی جانب بے آب و گیاہ صحرا ہے، مغرب کی جانب سمندر کا کھارا پانی ساحل سے ٹکرا رہا ہے، شمال کی طرف دشمن فوج کے مورچے لگے ہیں، دُور پہاڑی پر بھی ایک اور مخالف قوت کا اڈا ہے، جنوب میں جنگل ہے جس میں ڈاکوؤں کی زمین دوز پناہ گاہیں بھی ہیں اور درندے اور اژدہا بھی بکثرت ہیں۔ اسی جنگل کے سامنے تھوڑی سی خالی جگہ پر ہم پڑاؤ ڈال سکتے ہیں۔ سرفروشی کرنے والے لوگ مایوس اور دست و پا شکستہ نہیں ہوتے۔

اب اس رپورٹ کے سامنے آنے پر ایک صورت تو یہ ہے کہ کچھ حضرات کے ہارٹ فیل ہو جائیں، کچھ حضرات کے دماغ کام کرنے سے جواب دے جائیں، کچھ حضرات بحرِ مایوسی میں غوطہ زن ہو جائیں۔ لیکن جو لوگ دنیا میں معرکہ آرائیاں کرنے نکلتے ہیں وہ واقعی صورتِ حالات

سے دہلا نہیں کرتے اور نہ پریشان ہو کر جی چھوڑ بیٹھتے ہیں جیسے کہ قرآن نے کہا کہ: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔ نہ سہم جاؤ، نہ ملول ہو جاؤ، تم ہی (بالآخر) برتر رہو گے، بشرطیکہ تم (ثابت کر دکھاؤ کہ) مومن ہو ــــ تو جناب والا! جن لوگوں کو چیلنجوں کا سامنا کر کے کسی اصول کا جھنڈا بلند کرنا ہوتا ہے، ان کے دلوں کے دروازے ہمیشہ کے لیے نااُمیدی پر بند ہو جاتے ہیں ۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب جائزہ لو تو ایک جج کی طرح حالات کو دیکھو، ایک ریسرچ سکالر کی طرح ان کو مرتب کرو اور پھر ایک ایسے جرنیل کی طرح اپنی فتح یا اُمید کا راستہ نکالو جس کا نغمۂ جہاد یہ ہے کہ:

"صحرا است کہ دریا ست تہ بال و پر ماست"

جو اُمید صرف سلوگنوں کی جذباتیت سے زندگی لیتی ہے وہ اور چیز ہے ۔ اصل اُمید وہ ہے جو حقائق کے شعور پر مبنی ہو ۔ حقائق کے شعور سے گریز خطرے کی علامت ہے ۔

خدا ہے اور خدا کا دین ہے تو پھر نااُمیدی کی بلا کہاں سے آ گئی؟ ایمان کی تو ساری کھیتی ہی اُمید کی کھیتی ہے ۔ مگر من پر چاؤ اور خود فریب اُمیدیں یہاں نہیں ہوتیں، رنگین خوابوں کے غبارے یہاں نہیں ملتے، یہاں تو سرمایۂ اُمید اللہ کی رضا ہے، کامیابی زندگی کے امتحان میں کامیابی ہے اور مراد پھلوں اور پھولوں اور موتیوں اور حسن و جمال کی ایک فصل ہے جو ایک دن آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن جاتی ہے ۔ مگر شرط یہ نہیں کہ کتنے دن میں؟ اس نسل کے لیے یا اگلی نسل کے لیے، ایک ملک میں یا دوسرے ملک میں، ایک قوم کے مقدر میں یا دوسری قوم کے مقدر میں؟ دنیا ہی دنیا میں یا آخرت میں ــــ بعض وفات دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ملتے ہیں ۔ آخرت میں رنگ و نکہت کی ایک شاداب پھلواڑی نگاہوں میں چکا چوند پیدا کر دیتی ہے ۔

آج کل کے دور میں بعض حضرات کو جب یہ تصور دلایا جائے کہ ایک نسل کے شروع کردہ کارِ دین کا ظاہری نتیجہ دوسری یا تیسری نسل کو مل سکتا ہے اور کام کرنے والے کو اس کا حاصل آخرت

میں نصیب ہوگا۔ تو بسا اوقات آدمی ظاہر تو نہیں کرتا مگر اندر سے اس کا دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ ہائیں! مرنے کے بعد؟ — اتنی دور؟ (ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ) یہیں سے وہ بیماریٔ استعجال شروع ہوتی ہے جو انسان پر یا جماعتوں پر دباؤ ڈالتی ہے کہ وہ دین اور اس کے پروگرام اور اس کے طریقِ کار میں کچھ ایسے شارٹ کٹ نکالیں کہ جلد جلد کام بن جائے۔ کرٹے اصولوں پر چل کر بات نہیں بنتی تو ان کے پیچ ذرا ڈھیلے کر دیے جائیں، ماحول کے مروجہ باطل تقاضوں کا دباؤ اگر سہارا نہیں جا سکتا تو پھر تحریک کی ریڑھ کی ہڈی میں ذرا اور لچک پیدا کر لی جائے، بعض غیر اسلامی رجحانات کو روکا نہیں جا سکتا تو ذرا اپنے کنٹر ین کو کم کر لیا جائے دوسروں سے نظریاتی اختلاف قائم رکھ کر قوت نہیں بنائی جا سکتی تو مخالف نقطہ نظر والوں کے ساتھ محبت و دوستی کا تعلق بڑھا کر متحدہ مہم چلائی جائے۔ سیاسی کامیابی میں اگر دین کے اخلاقی تقاضے حائل ہوتے ہیں تو اخلاقی تقاضوں پر زور دینے والے دین داروں سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنا کام کریں اور دین کی سیاسی خدمت کرنے والوں کو خدمت کی گاڑی چلانے دیں، اگرچہ خدمتِ دین کی اس گاڑی کے غلط رخ پہ چلنے سے خود دین مجروح ہوتا ہو۔

استعجال ہمیشہ شارٹ کٹ تلاش کرتا ہے۔ آپ شارٹ کٹ سوچنے سے بچیے اور "فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ" کو اصول بنایئے۔ جیسے میدانِ احد کے ناکے پر حضورؐ نے صحابہ کو مامور کر کے فرمایا تھا کہ تم اگر دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں تب بھی یہ ناکہ نہ چھوڑنا —— اور انہوں نے ناکہ چھوڑ دیا۔ آپ بھی "فَاسْتَقِمْ" کی پوسٹ پر مامور ہیں۔ یہاں ذبح بھی ہو جائیں تو آپ کو پوسٹ نہیں چھوڑنی چاہیے۔ اور اگر دس پندرہ سال تک آپ ایک قدم بھی پوسٹ کو آگے لے چلنے کے قابل نہ ہوں، بلکہ الٹا کمانڈر آپ کو میلوں پیچھے لے آئے تو بھی آپ کو اپنی پوسٹ پر اسی طرح اٹنشن رہنا ہے۔

یہ ہے مولانا مودودیؒ کی قائم کردہ جماعتِ اسلامی کا تصور اور طریقِ کار! یہ پسند نہ ہو تو کوئی اور کام دیکھیے!

رہا کامیابی اور ناکامی اور اُمید اور نااُمیدی کا سلسلہ تو اسے آپ قرآن، خصوصاً انبیاء کی سیرتوں سے سمجھ سکتے ہیں۔

آنحضرتؐ، حضرت نوحؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کے پیروؤں کے لیے ظاہری احوال میں کونسا سرمایۂ اُمید تھا؟ جو پاک لوگ مشرکینِ مکہ کے ہاتھوں عذاب بھگت رہے تھے، ان کے سامنے کون سی ظاہری فتوحات کی گارنٹی تھی اور وہ بھی مقررہ وقت کی پابندی کے ساتھ۔ شہدائے بدر کو کیا معلوم تھا کہ ان کی شہادت کے لہو سے کس طرح ایک نئی دُنیا تعمیر ہو جائے گی اور نئی تاریخ بنے گی۔ دُنیا کے یہودی دو ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک مار پٹائی، قید و بند، در بدری، اور ذلت و رسوائی سے دوچار رہے، مگر انہیں کس نے خراب سے خراب تر بدترین غلامانہ احوال میں بھی اس اُمید پر قائم رکھا اور وہ اپنے مقصود کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ روس اور باقی دُنیا کے کمیونسٹوں کے حال پڑھ کر دیکھیں کہ آخر وہ کس اُمید کے نشے میں قیدِ تنہائی میں گھل گھل کر ختم ہوئے اور پھانسیوں پر چڑھ گئے۔ خود برصغیر میں ان کی تفصیلی داستان پڑھیے۔ آج بھی دُنیا میں جہاں جہاں وہ اذیتیں بھگت رہے ہیں، عبرت ناک سماں ہے، مگر ان میں کسی کی اُمید ختم نہیں ہوئی۔

اُمید کا سرچشمہ خارجی حالات نہیں ہوتے، اُمید کا اصل سرچشمہ آدمی کا اپنا دل اور ایمان ہوتا ہے۔ اسی ایمان کے سہارے ہم ۷۵ افراد پوری بے سروسامانی کے ساتھ دُنیا کا نقشہ بدلنے اُٹھے تھے۔ اور واقعی یہ یقین اس وقت بھی رکھتے تھے اور اب بھی رکھتے ہیں کہ ماسکو سے واشنگٹن تک کی تہذیبی زمین کا تختہ بدل دیں گے۔ مگر ہمارے یقین کے لیے کوئی "اجلِ مسمّٰی" ہمارے سامنے نہیں ہے وہ صرف خدا کے سامنے ہے۔ اسی ایمان کے بل پر ہم نے مولانا مودودیؒ کو پھانسی کا حکم سنائے جانے کی اذیت ناک عدالتی کارروائی دیکھی۔ ہم نے اخوان کے رقت آمیز حالات دیکھے، ترکیہ میں لادینی جبریت کے نیچے اسلامی قوت کے خون چکاں زخموں کو دیکھا — انڈونیشیا کی مسلم اکثریت کو ہم پنج شیلا کی دُھنائی مشین میں دُھنے جاتے دیکھ رہے ہیں۔ ان سارے واقعات و احوال سے درد کی نئی نئی لہریں ضرور اُبھرتی رہیں، مگر اللہ کا شکر ہے کہ تحریک اور دین کے بارے میں نااُمیدی کہیں سے نہیں اُبھرتی۔

رفقائے من! اس کی ایک اہم وجہ ہے۔ اگرچہ اس قسم کے ذاتی احساسات و تجربات کو کبھی بیان نہیں کرنا چاہیے، مگر ضرورۃً میں اشارہ کرتا ہوں۔ مولاناؒ کی پھانسی کا حکم (جو ناکام ہوا) ہو یا ایوب خاں کا مارشل لا، یا ۱۹۶۳ء کا حادثہ یا ۱۹۷۱ء کے انتخابات یا ملک کا دولخت ہونا، زلزلہ افگن واقعات تھے۔ مجھے سونے سے پہلے دو تین گھنٹے سخت اضطراب رہتا، سوچ بچار کی مشین کے پہیے تیزی سے گھومتے اور آخر یہ مشین بھی جواب دے جاتی۔ تب دل مجھ سے گفتگو کرتا اور کہتا کہ یہ دنیا خدا کی سلطنت ہے، تم خدا کے ایک عاجز بندے ہو (کسی چیونٹی کی طرح) تمھارا یہ سوچنا کہ فلاں چیز ہوئی تو کیوں ہوئی اور فلاں نہیں ہوئی تو کیوں نہیں ہوئی، گویا اس میں تم خیر و شر کا فیصلہ کرنے والے بنتے ہو، حالانکہ تقدیر ساز اور فیصلۂ خیر و شر کرنے والا وہ ہے جس نے دنیا کو، پاکستان کو، بھارت کو، امریکہ کو، مشرقی پاکستان اور بنگلہ دیش کو، پی پی پی کو، صدر ایوب کو پیدا کیا ہے اور جو ان پر کامل اختیار رکھتا ہے۔ میں جواب دیتا ہوں کہ بالکل برحق! پھر دل کہتا ہے کہ فرض کرو، کائنات کا مالک فیصلہ کرتا ہے کہ پورے ایشیا کو تہس نہس کر دیتا ہے، تو تم کیا کرو گے۔ عجز کے ساتھ قبول کروں گا۔ اگر وہ فیصلہ کرے کہ تم نہیں رہو گے تو؟ بالکل برحق! اگر وہ فیصلہ کرے کہ تم اور تم جیسے داعیانِ حق یہاں سو سال تک کام کریں اور کوئی بڑا نتیجہ انھیں ظاہری پیرائے میں حاصل نہ ہوگا، بلکہ ان کے بعد ایک قوت آئے گی، وہ دو چار سال ہی میں پچھلا سارا ورثہ سمیٹ لے گی تو اس بارے میں تمھاری پسند و ناپسند کیا ہے؟ میں ایک بندۂ ناچیز کی حیثیت سے اس فیصلے کو قبول کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میری آنکھیں روئیں کہ ان پر قابو نہیں، مگر میرا دل خدا کے ساتھ ہوگا۔ اور میرا ایمان خدا کے نور سے جگ مگ کرے گا۔ آخر میں دل پوچھتا ہے کہ اب بتاؤ، خارجی واقعات کے متعلق مناسب و ممکن تدابیر کرنے کے بعد اگر معاملات تمھاری مرضی کے مطابق نہیں چلتے تو بھی تم اپنا ایمان، اپنے اُصول، اپنی قدریں اور اپنی اُمید برقرار رکھو گے؟ میں بڑی رقت آمیز شرمندگی کے ساتھ جواب دیتا ہوں کہ ان شاء اللہ، میں ایسا ہی ثابت ہوں گا۔ تب دل نے کہا، یہی ہے مومن ہونے کی حقیقت، اور یہ حقیقت اگر تمھیں اور تمھارے ساتھیوں کو مل جائے تو تمھارے ہی لیے ہے ——— وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ! بس اس داخلی مکالمے کے بعد اضطراب کے طوفان ہمیشہ ختم ہو گئے اور مجھ کو نیند آگئی۔ حالانکہ میرے سینکڑوں

ساتھی سو نہیں سکے، بلکہ روتے رہے ہوں گے۔

نوبیشنل لیبر فیڈریشن کے صدر جناب رحمت اللہ صاحب! یہ ہے دین کی بات اور ایمان کی بات اور امید کی بات!

خدا سے دعا کیجیے کہ آپ کو بھی، مجھے بھی اور دین کے ہر محب اور خادم کو بھی یہ نور مل سکے۔

آپ اگر اس کو تصوف کہیں تو محض غیر محتاط طریق سے استعمال شدہ کسی اصطلاح کو چسپاں کرنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اور اگر یہی تصوف ہے جو میں نے بیان کیا ہے تو یہ تو تمام انبیاء کی بارگاہوں میں ملے گا اور تمام قرآن میں دکھائی دے گا۔ مگر یہ رسمی اور نمائشی تصوف نہیں ہے۔ یہ دل کا ایک چراغ ہے۔ نہ دل کسی کو دکھایا جا سکتا ہے، نہ دل کا چراغ، ہر کسی کا اپنا اپنا دل، اپنا اپنا چراغ، اپنا اپنا نور!!!

اب اس لمبے جملۂ معترضہ کو چھوڑ کر چلیں اصل بات کی طرف۔ میں نے ایک خصوصی سلسلۂ اشارات اشاعت مارچ سے شروع کیا۔ بیچ میں سلسلہ ٹوٹا، پھر بحال ہوا۔ اور ابھی کچھ حصہ باقی ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر ایک خیال تو یہ آیا کہ اگر کسی تحریر سے دوستوں پہ مایوسی کے جراثیم کا حملہ ہو رہا ہو تو اسے جاری رکھا جائے۔ اِدھر سوہدرہ کے دو ممتاز رفقا مجھ سے ملے اور انہوں نے مذکورہ اشارات کی نہ صرف تعریف کی بلکہ اس سلسلے کی بحث کو جاری رکھنے کے لیے کہا۔ میں نے جب ان سے یہ ذکر کیا کہ ایک خط ملا ہے کہ اسے پڑھ کر ارادہ بدل رہا ہوں۔ انہوں نے اس سے مجھے روکا اور کہا کہ ذرا سی ضروری وضاحت کر کے سلسلۂ کلام جاری رکھیے۔ میں نے "ذرا سی ضروری وضاحت" کے بجائے پورا ایک فلسفہ آپ کی تسکین کے لیے لکھ ڈالا۔

اب میری کوشش کا مقصد سنیے۔ جب کسی قافلے کے پیش آہنگ یا کسی فوج کے پائلٹ دستے کی طرح آگے جا کر سارے جغرافیائی احوال کو دیکھ کر اس کی رپورٹ اہلِ ایمان کے سامنے

دکھنا چاہتا ہوں - بعد ازاں میں یہ بھی گذارش کرنے کا عزم رکھتا تھا کہ قارئین پر واضح کردوں
کہ ایمان اور کامیابی کا راستہ کدھر سے کدھر کو نکل سکتا ہے -
اِس سلسلے میں مَیں نے واضح کیا کہ کس طرح دولت اور جاگیروں والے طبقے نے ہمیں جکڑ
رکھا ہے، کس طرح اربابِ اقتدار ہمارے کندھوں پر سوار ہیں، کس طرح ہمیں بیرونی قرضوں
کی بھاری زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے، کس طرح فضا لادینیت کے لیے ہموار کی جارہی ہے۔
کس طرح مخالفِ اسلام خواتین و ثقافت کو ہم پر لادا جارہا ہے - کس طرح سپر پاورز اور خود
ہمارے اندر کے سازشی اور تخریبی عناصر اور ادارے ہمیں ذہنی، لسانی، علمی، اخلاقی اور سماجی
اور اقتصادی غلامی کا شکار بنا رہے ہیں -
ان چیزوں کی طرف دیکھنے سے اگر ہمیں ڈر آتا ہے تو ہمیں آنکھیں بند رکھنی چاہئیں اور کانوں
میں صرف تسکین بخش عوامی جملوں کو داخلے کی اجازت دینی چاہیے - لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حق
کے سپاہیوں کو خوب غور سے اردگرد کے حقائق کو دیکھنا چاہیے، ان کا تجزیہ کرنا چاہیے اور پھر
ان کا پورا نقشہ سامنے رکھ کر اپنی راہِ مراد، جادۂ دعوت یا طریقِ انتخاب یا نظامِ پیکار کی اسکیمیں مرتب
کرنی چاہئیں -
آپ نے دیکھا کہ شریعت بل مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود زیریں ایوان میں پاس نہ ہو سکا -
اِس کے کچھ اسباب ہیں - آخر مسلمانانِ کرام نامسلمانی کی راہیں کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ان چیزوں
کا صحیح جائزہ لیے بغیر چند محبِ دین ممبران نے جمہوریت کے شروع ہوتے ہی شریعت بل
ایوان میں رکھ دیا - اُدھر بے نیازی حد سے اس طرح گذری کہ رائے شماری اور ڈویژن
تک کی نوبت نہ آئی - اور وہ اگر آجاتی تو ہمارے سروں پر اور بھی سنگِ سخت گرتا -
شریعت بل کے بارے میں آپ کو مایوسی اس لیے ہوئی کہ آپ نے حالات کا صحیح تجزیہ
نہیں کیا تھا -
بالکل اسی طرح حالات کی پوری تصویر سامنے رکھے بغیر جب اقدامی خاکے بن جاتے ہیں
تو فوجوں یا قافلوں کو دیواروں سے سر پھوڑنے پڑتے ہیں -
پس یقین رکھیے کہ میں نقشۂ احوال پیش کرنے کے بعد جادۂ اُمید کی پوری پوری نشاندہی

کروں گا اور ٹھیک ان واضح خطوط پر کروں گا جو خدا اور رسولؐ نے بہ شکلِ دین عطا کیے ہیں اس دین کی پابندی میں اگر ساری عمر ظاہری ناکامی میں گذر جائے تو بھی میرا نقطۂ امید رضائے الٰہی ہوگی اور اگر دولت اور اقتدار اور فنونِ قاہرہ اور علومِ عالیہ سے مجھے اور تحریکِ حق کو مالا مال کر دیا جائے تو بھی میرا مرکزِ امید رضائے الٰہی رہے گی۔ رضائے الٰہی دنیا میں، اور رضائے الٰہی آخرت میں۔

اب ذرا توجہ منعطف کیجیے اس خاص تازہ سیاسی صورتِ حال کی طرف جو اسمبلیوں کی برطرفی سے پیش آئی ہے۔ ایسے پیچیدہ احوال کا جائزہ لیتے ہوئے میں خوفِ خدا کے تحت بے جا جانب داریوں اور بے جا مخالفتوں اور نفرتوں سے بچنا چاہتا ہوں۔ خالی سیاست، یا دین کے مقابلے میں اپنی حدود سے بڑھی ہوئی سیاست تو کبھی حالات کی جج نہیں بن سکتی۔ اس ملک اور دنیا میں صرف وہی قلیل عنصر مختلف قوتوں کی نزاعات اور تصادموں میں عدل کی ترازو ہاتھ میں لے کر حق وصداقت کی متوازن بات کہہ سکتا ہے، جو طریقِ انبیاء وصحابہ کے نورانی جادہ پر دوڑ کر نہیں تو کم سے کم گھسٹ گھسٹ کر بڑھنے کی کوشش کر رہا ہو، اور جو اپنا سینہ وسر اور دل وجگر دے کر بھی اس پر بضد ہو کہ ہم سے اسی جادہ فلاح وسعادت پر چلنا ہے۔

سو خدا کے بہت سے بندگانِ عاجز کے ساتھ ان کا یہ کمزور ترین ساتھی بھی اپنی رائے یہ رکھتا ہے کہ خدا کا ایک قانون ہے جو اپنا عمل کر رہا ہے، یعنی تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ دوسری رائے میری یہ ہے کہ گو خدا نے اپنے تمام بندوں میں جسمانی، روحانی، دماغی اور اخلاقی لحاظ سے کئی کئی فرق رکھے ہیں مگر ہمارے ملک کی سیاست کا سارا کارخانہ جن عناصر کے بل پر چل رہا ہے ـــــ وہ حکومتی گروہ ہو یا اپوزیشنی گروہ، وہ قصرِ وزارت ہو یا ایوانِ صدارت، وہ سینیٹ ہو یا عوامی اسمبلی، انتخاب میں آ جانے والی پارٹیاں ہوں یا باہر رہ جانے والی پارٹیاں، مذہبی تفرقوں پر بنی جتھے ہوں یا جاہلی عصبیتوں پر قائم سیاسی دھڑے ـــــ یہ پورے کا پورا آوا، آج ہی سے نہیں، غلام محمد کے دور سے

بگڑا ہوا ہے اور دَور بہ دَور اپنے بگاڑ میں ترقی کرتا گیا ہے۔ جناب صدر ضیاء کا دس سالہ دَور دیکھتے ہیں تو کانوں کو ان کے خوبصورت الفاظ اور اصطلاحات (جن میں کبھی تضاد بھی جلوہ گر ہوتا ہے) سنائی دیتے ہیں۔ اور آنکھوں سے معاشرے کا بلیک بورڈ دکھائی دیتا ہے، جس کی سیاہی ہر سال بڑھتی چلی گئی ہے، صرف چند سفید چھینٹیں متفرق اجزائے اسلامیت کی اس پر پڑی تھیں وہ بھی دھندلا کر سیاہی کے سمندر میں گھل گئیں۔ باقی رہے جوڑ توڑ کے معاملات، سو مغربی سیاست کا یہ لازمہ ہیں۔ گلہ کیا — اب ذرا دوسری طرف بھی نظر ڈالیں کیا کارنامہ ہے ہمارے اساتذۂ جمہوریت کا؟ کون سے گل اُنہوں نے اس اُجڑے چمن میں کھلائے ہیں؟ پاکستان کی رُوحِ پاکستانیت کو اُبھارنے کے لیے اُنہوں نے قوم پر کیا احسانات فرمائے ہیں؟ یہی ناکہ اسلام کا نام لے لے کر اُنہوں نے ذرائع ابلاغ، تعلیم، معیشت، دفتری نظام، ثقافتی سرگرمیوں اور ماڈرن خواتین کی معرکہ آرائیوں کے ذریعے ماحول کو سیکولرازم کے لیے سازگار کیا اور ایوان میں شریعت بل کے بارے میں توہین آمیز رویّہ اختیار کیا۔ یہ دین سے بھاگنے والی سیاست کے علمبردار جو روپیہ اُچھالتے پھرتے تھے اور عہدوں کے ذریعے ضمیر اور دماغ اور برادریاں خرید رہے تھے، کیا ضیاء الحق کے ہٹ جانے کے بعد یہ فرشتے بن کر سامنے آتے۔ میرا خیال ہے کہ ملک میں لادینیت، خیانت اور تخریب کاری کا طوفان اور بھی بڑھتا۔ ان کے دم سے تو ایک ایسی خوفناک جمہوری آمریت تشکیل پا رہی تھی کہ جو جنّات کی طرح نگاہوں سے مخفی رہ کر ہمارے اُصولوں اور قدروں کو تباہ اور ہم کو روز بروز بے بس کرتی۔

حکومت کی اکثریتی پارٹی کے وابستگان نے بعض اوقات اخلاق یا اسلام کی بات کرنے والوں کو تابڑ توڑ فقرہ بازیوں سے سخت پریشان کیا ہے۔

کیا مصنوعی قسم کی مسلم لیگ اور اس میں مختلف نظریات اور اخلاق کے ساتھ جمع ہونے والے لوگ قوم کو نوازشات سے بہرہ مند کر سکتے تھے۔ میرا تو خیال ہے کہ شاید ان کے ہاتھوں سکندر، ایوب اور یحییٰ بھٹو کے دور سے زیادہ سنگین حالات رُونما ہوتے۔

سچی بات یہ ہے کہ مجھے اس پورے معاشرے میں قابلِ احترام، بااُصول، دیانت دار،

صاحب صلاحیت، محب پاکستان اور فدائی اسلام قسم کے سیاست دان نظر نہیں آتے، جو اکھاڑے میں کوئی مقام رکھتے ہوں۔ اگر کوئی شخص ایسے پانچ قائدین عملی سیاست کا رول اور سیاست بازوں میں سے نسل کے دکھا دے تو میں یقین کرنے کو تیار ہوں کہ یہ ملک نہ صرف خطرات سے بچ نکلے گا بلکہ ترقی کرے گا۔

میں جماعتی فیصلوں کا ساتھ دیتے ہوئے ذاتی رجحان یہ رکھتا ہوں کہ ہمیں ان عناصر سے امیدیں لگانے کے بجائے ان سب کے لیے با اصول دینی سیاست کی دعوت لے کے نکلنا چاہیے۔ ان لوگوں کو دوست اور اتحادی بنانے کی مساعی کے بجائے ان تک خادم محمدؐ کی پاکیزہ سیاست کا پیغام پہنچانا چاہیے۔

دوسرے کسی ایک ذلیل کے ساتھ ہو کر کسی دوسرے فریق کو گرانے کی کوشش کوئی مثبت تعمیر سیاست نہیں ہے۔ پاکستان بننے سے لے کر ملک کے تمام اہل سیاست اسی منفی سیاست کی ڈگر پر چلے آرہے ہیں کہ فلاں کو ختم کرنا ہے، بس پھر بیڑہ پار ہے۔ مگر ایک فلاں کے ہٹنے کے بعد دوسرا فلاں آجاتا ہے۔

اصل میں اس خاص طرز کی جمہوری و انتخابی سیاست کے بارے میں یہودیوں نے پروٹوکول میں اپنا ایک نقشہ پیش کیا ہے۔ اور سپر پاورز نے بھی ہمیں ایسے چکروں میں ڈال رکھا ہے کہ کبھی مارشل لا ہے، کبھی جمہوریت، کبھی ایوان برطرف، غرضیکہ قانون ضرورت نت نئے رنگ بدلتا ہے اور ہمیں کسی اصولی و اخلاقی طرز پر چلنے ہی نہیں دیتا۔ مغربی جمہوریت کے ہنڈولے کے چکروں سے اگر اپنے آپ کو اصول و اخلاق کے بل بوتے پر بچایا جا سکے تو سلامتی کے لیے راستہ باقی رہے گا۔ ورنہ ہنڈولے کے دو چار چکر اگر راست فکر لوگوں کے سروں کو گھمانے میں کامیاب ہو گئے تو مثبت دینی و اخلاقی سیاست اور اس کے اعلیٰ درخشاں مقاصد کبھی اپنا مقام نہ بنا سکیں گے۔

میرے نزدیک جب تک موجودہ سیاسی ڈھانچہ قائم تھا تب بھی اسلامی، اخلاقی اور معاشی لحاظ سے بحران تھا، ٹوٹ گیا ہے تو اب بھی یہ سر گو نہ بحران ہے، اگر صدر ضیاء بھی چلے جائیں تو بھی یہ بحران برقرار رہے گا۔ اس ملک کو بحرانی حالت سے صرف وہ اسلامی عناصر نکال سکتے ہیں، جو اپنے اصولوں اور معیارات میں اپنے نقطۂ نظر اور اخلاقی رویوں میں کسی

وقتی اُفت وخیز کے تحت فرق نہ آنے دیں، نیز جو حکومتی اور اپوزیشنی نقطۂ نظر سے بالاتر ہوں۔ عام سیاست جس کا چلن بازار میں ہے، اسلامی دعوتی سیاست اس سے بہت بالاتر اور پاکیزہ ہے۔

میری تمنا ہمیشہ یہی رہی ہے کہ کاش ایسے سیاسی اشخاص اور گروہ ہوتے جن کے ساتھ کم از کم ہمارا ایک بنیادی کلمۂ سواء ہوتا ہے جسے نصب العین بنایا جا سکتا ہے اور کاش کہ الحاد سے بچے ہوئے اور نظری عملی لادینیت کی آلودگی سے پاک ایسے لوگ مل جاتے جن کے سامنے بیٹھنے میں مجھے اور ہر داعیٔ اسلام اور خادمِ اسلام کو بہتری کی اُمیدیں ہو سکتیں۔ کاش کہ ایسے گروہ یہاں ہوتے جو مسٹنڈوں کی ہاؤ ہو اور غنڈوں کی مار دھاڑ اور قانون شکنیوں سے محفوظ ہوتے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ چلنے میں شاید خادمانِ دین کی عزت کا پرچم نہ جھکتا، مگر کیا کریں معاشرے کا صحرا سرکنڈوں اور جھڑ بیریوں کے سوا کچھ اُگاتا ہی نہیں ہے۔

خدا کو استقامت رکھنے والے لوگ درکار ہیں۔ ڈٹ کے رہنے والے لوگ۔ قدم جما کے کھڑے ہونے والے لوگ۔ غیر متبدل پیمانے رکھنے والے لوگ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔

لیجیے ایک بہت بڑا واقعہ رونما ہو گیا ـــــ نفاذ شریعت آرڈی نینس ۱۹۸۸ء کا نفاذ۔

مگر کاش کہ صدر ضیاء کو اپنی بظاہر مضبوط، مگر نہایت ہی نازک پوزیشن کا اندازہ ہوتا اور وہ کوئی ایسی جاندار مثبت چیز لا سکتے کہ دینی اور عوامی حلقوں میں اچھے جذبات اُبھر آتے۔ ورنہ جمہوریت کے علمبرداروں کی اکثریت تو لادینیت پسند، مخالفِ نفاذِ شریعت اور آزاد کھلے معاشرے کی خواہاں ہے۔ ان کی اکثر بنی صفیں تو پہلے ہی سے مخالف ہیں۔ دوسری جانب جو محبِ دین عناصر تھے اس بے جان آرڈی نینس نے انھوں کو بنا کر ملحدین منحرفین، مغرب پرستوں اور سوشلسٹوں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ ایسے بودے موقف پہ کھڑے ہو کر ملک و ملت کا کوئی کیا عمل کر سکتا ہے۔ کیوں نہ لوگ اپنے اُصولی پروگراموں کے محاذوں پر حسبِ سابق مستقیم رہ کر معرکہ آرا رہیں۔ یہ بے جان آرڈی نینس تو اور بھی زیادہ اکساہٹ مخالفینِ دین کے جذبوں میں پیدا کرے گا اور

تحریکات کے نتیجے میں آنے والی جمہوریت آئے گی جو اسلام کا راستہ روکنے میں سیکولر اور مخالفِ دین حکومتوں سے بھی زیادہ سخت ہوگی ۔ یہ آرڈی ننس بالش کے بارود خانے کے لیے ایک چنگاری کی حیثیت رکھتا ہے ۔

ذیل میں آرڈی ننس کے متعلق مرکز جماعتِ اسلامی کے اظہارِ تاثر کی اولین قرارداد کو پیش کرنے سے پہلے میں اپنا تاثر بیان کرتا ہوں کہ "پُرشکوہ الفاظ کے انبار مگر معنی ندارد" ۔ اور " دفعات کے اُمید افزا عنوانات مگر مضمون کالعدم " ۔

زیادہ مؤثر قول قاضی حسین احمد امیر جماعتِ اسلامی کا ہے کہ یہ "نفاذِ شریعت آرڈی ننس نہیں، انسدادِ شریعت آرڈی ننس ہے" ۔

کاش کہ خدا کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اُٹھا کر صدر صاحب اس آرڈی ننس کو واپس لے کر نیا آرڈی ننس نافذ کریں جو ۱۶ جون والے (شائع شدہ جنگ) مسودے سے تو کم تر نہ ہو ۔

اب جماعت کی قرارداد ! :-

صدر مملکت نے کل نفاذ شریعت آرڈی ننس جاری کر دیا ہے ۔ جس طرح صدر صاحب نے سابق حکومت اور قومی اسمبلی کے خلاف فردِ جرم میں نفاذِ شریعت سے گریز اور پہلو تہی پر زور دیا تھا اور اپنے ریفرنڈم کے وعدہ اور اس کے نتیجہ میں عاید ہونے والی ذمہ داری کا حوالہ دیا تھا اس سے یہ اُمید اور توقع قائم کی گئی تھی کہ اس مرتبہ وہ ضرور صاف سیدھے طریقہ سے نفاذِ شریعت کا انتظام کر کے خدا اور خلق کے سامنے سرخرو ہوں گے ۔ لیکن اس آرڈی ننس کے سامنے آنے کے بعد ان ساری توقعات پر پانی پھر گیا ہے ۔

یہ آرڈی ننس اس مسودہ قانون سے بھی بہت پیچھے چلا گیا ہے جو صدر صاحب کی اپنی قائم کردہ کمیٹی نے جو اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور دیگر ماہرینِ قانون پر مشتمل تھی، چند روز پہلے پیش کیا تھا اور پریس میں شائع ہوا تھا ۔ یہ آرڈی ننس اپنی اصل اور روح کے اعتبار سے اس مسودہ پر کوئی نمایاں فوقیت نہیں رکھتا جو سابق حکمران بار بار متحدہ شریعت محاذ کو پیش کرتے رہے ہیں ۔ اور جسے شریعت محاذ نے ہمیشہ بالاتفاق مسترد کیا ہے ۔

اس آرڈی ننس میں نہ شریعت کو بالاتر قانون تسلیم کیا گیا ہے نہ کسی بڑی سے بڑی عدالت کو

شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرنے کا پابند بنانا تو در کنار اس کا اختیار ہی دیا گیا ہے، بلکہ قرارداد مقاصد کے دستور کے متن میں شامل ہونے کے بعد بعض امور میں قرآن و سنت کی بنیاد پر فیصلہ کا جو راستہ کھلا تھا اور جس کی بنیاد پر سندھ ہائی کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ نے کچھ فیصلے دیئے تھے، اس آرڈی ننس کے بعد وہ بھی بند ہو جائے گا

حقیقت یہ ہے کہ اس آرڈی ننس کے اجراء سے عملی طور پر موجودہ صورتِ حال میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور قوم کو نفاذِ شریعت کی منزل نہیں مل سکے گی۔ لہٰذا اگر صدر صاحب یہ سمجھیں کہ انہوں نے یہ آرڈی ننس نافذ کر کے قوم سے اپنا عہد پورا کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اب ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں ہیں یا نفاذِ شریعت میں سنجیدہ نہیں ہیں۔

(جاری کردہ: شعبۂ نشر و اشاعت، جماعت اسلامی پاکستان)

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔

(ادارہ)

حکمتِ سید مودودیؒ

جماعتِ اسلامی میں ارکان کی بھرتی

(۱)

جماعتِ اسلامی کے اجتماعِ اوّل میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے افتتاحی اجلاس میں جو خطاب کیا، اس میں اس جماعت کی خصوصیات بیان کیں اور امتیازات واضح کیے۔ جن میں سے تیسری بات یہ فرمائی:

"ثالثاً ان میں ہر قسم کے آدمی اس مفروضے پر بھرتی کر دیے گئے ہیں کہ جب یہ مسلمان قوم میں پیدا ہوئے ہیں تو مسلمان ہی ہوں گے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارکان سے لے کر کارکنوں اور لیڈروں تک بکثرت ایسے آدمی ان جماعتوں کے نظام میں گھس گئے جو اپنی سیرت کے اعتبار سے ناقابلِ اعتبار تھے اور کسی بار امانت کو سنبھالنے کے لائق نہ تھے۔ لیکن ہم کسی شخص کو اس مفروضے پر نہیں لیتے کہ وہ مسلمان ہوگا، بلکہ جب وہ کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم اور مقتضیات کو جان کر اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہے تب اُسے جماعت میں لیتے ہیں۔ اور جماعت میں آنے کے بعد اس کے جماعت میں رہنے کے لیے اس بات کو شرط لازم قرار دیتے ہیں کہ اسلام میں جو کم سے کم مقتضیاتِ ایمان ہیں ان کو پورا کرے۔ اس طرح انشاء اللہ مسلمان قوم میں سے صرف صالح عنصر ہی چھٹ کر جماعت میں آئے گا۔ اور جو بھی جو صالح بنتا جائے گا، اس جماعت میں داخل ہوتا جائے گا۔" (روداد جماعت اسلامی حصہ اول مطبوعہ پٹھانکوٹ ص ۵)

(۲)

جتھا صرف ان لوگوں کا بنایا جائے جو اس دعوت کو جان کر اور سمجھ کر قبول کریں، جو بندگی اور اطاعت کو فی الواقع اللہ کے لیے خاص کر دیں، جو دوسری اطاعتوں کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ واقعی شریک کرنا چھوڑ دیں۔ اور حقیقت میں اللہ کے قانون کو اپنا قانونِ زندگی بنالیں۔ رہے دوسرے لوگ جو اس طرزِ خیال یا اس طرزِ زندگی کے محض معترف ہوں یا اس سے ہمدردی رکھتے ہوں، تو وہ مجاہدہ کرنے والے جتھے کے لیڈر کیا معنی، کارکن بھی نہیں بن سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جو جس درجہ میں بھی اس کا ہمدرد یا بیرونی معاون بن جائے، بساغنیمت ہے۔ مگر ارکان اور ہمدردوں کے درمیان جو حقیقی فرق و امتیاز ہے اُسے کسی حال میں بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے۔

تیسرا جزو یہ ہے کہ براہِ راست غیر الٰہی نظامِ اطاعت پر حملہ کیا جائے۔ تمام کوششوں کا مقصود صرف اس بات کو بنایا جائے کہ اللہ کی حاکمیت قائم ہو۔ اور اس کے سوا کسی دوسری چیز کو مقصود بنا کر اس کے پیچھے قوتیں ضائع نہ کی جائیں۔

(تحریک آزادیٔ ہند اور مسلمان، حصہ دوم- ص ۱۲۷، ۱۲۸)

علمائے صقلیہ کے علمی کارنامے

جناب عبدالرشید عراقی صاحب

(۲)

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری وہ دور ہے جب صقلیہ میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور ارباب علم وفضل صقلیہ سے ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اس دور کے ۶ محدثین کرام کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی نشر و اشاعت اور اس کی ترقی و ترویج میں اپنی زندگیاں بسر کر دیں اور اس سلسلہ میں وہ علمی خدمات سرانجام دیں جن کا تذکرہ انشاءاللہ العزیز تا قیامت رہے گا۔

اس دور کے پہلے محدث امام ابو عبداللہ محمد بن علی بن عمر تمیمی المعروف امام مازری (م ۵۳۶ھ) تھے، علم حدیث، رجال، فقہ اور کلام میں بہت ممتاز تھے۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:

> یہ ان اکابر میں تھے جن کی طرف حدیث کے حافظ اور علم کلام میں ماہر ہونے کی وجہ سے انگلیاں اٹھائی جاتی تھیں۔ وہ ارباب علم میں سے تھے اور مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے [۱]

---

[۱] وفیات الاعیان المعروف تاریخ ابن خلکان از علامہ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) جلد ۲ ص ۲۱۶۔

امام مازری ایک طرف علمی تبحر میں یکتائے روزگار تھے، دوسری طرف بڑے زندہ دل خوش مزاج اور خوش لباس تھے[1]

امام مازری کی بکثرت کتابیں مختلف علوم میں تھیں۔ ان میں علمِ حدیث پر ان کی دو کتابیں ہیں۔ ایک صحیح مسلم کی شرح کتاب المعلم، دوسری تعلیقات بروایت جوزقی ہے۔

کتاب المعلم بفوائد کتاب صحیح مسلم کی سب سے پہلی شرح ہے۔ اور یہ کتاب آپ کے ان حواشی اور تعلیقات کا مجموعہ ہے جو امام مازری نے اپنے تلامذہ کو صحیح مسلم کے درس میں املا کرائے تھے۔ کتاب المعلم بہت علمی معلومات کا مجموعہ ہے۔ قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) نے اس کے مفید علمی حواشی لکھے اور اس کا نام اکمال المعلم بفوائد مسلم رکھا۔

تعلیقات بروایات جوزقی: یہ علمِ حدیث میں ایک مختصر رسالہ ہے اور حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ جوزقی (م ۳۸۸ھ) کی تصنیف ہے۔ امام مازری نے اس پر چند مفید علمی حواشی لکھے۔

حدیث کی نشر و اشاعت اور اس کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں صقلیہ میں جن محدثین کرام نے درسی و تدریسی اور تصنیفی و تالیفی خدمات سر انجام دیں۔ تاریخ نے ۳۷ محدثین کرام کے نام بتائے ہیں اور ان میں صرف ۸ کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ مضمون طویل ہونے کا خوف ہے۔

علمِ فقہ صقلیہ میں علمِ فقہ کی ابتدا اور اس کی نشر و اشاعت قاضی اسد بن فرات (م ۲۱۳ھ) کے ذریعہ ہوئی۔ قاضی اسد بن فرات فقہ حنفی اور مالکی کے ممتاز عالم تھے۔ اور فقہ میں آپ نے یدِطولیٰ حاصل کیا تھا۔ اور آپ اپنے تبحرِ علمی سے فقہ حنفی اور مالکی کے امام تھے۔ عبادات میں فقہ مالکی کا اتباع کرتے تھے۔ اور معاملات کا عموماً فقہ حنفی کے مطابق فیصلہ فرماتے۔

قاضی اسد بن فرات کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ بنو سلیم بن قیس کے خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ اور ان کا آبائی وطن نیشاپور (خراسان) تھا۔ ۱۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال قیروان میں

---

[1] وفیات الاعیان المعروف تاریخ ابن خلکان از علامہ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ)، جلد ۲ ص ۲۱۶

قیام کے بعد ان کے والد نے ٹیونس میں اقامت اختیار کی۔ اور ٹیونس میں قاضی اسد بن فرات کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ ۱۸ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور قرآنی علوم میں دسترس حاصل کی۔ اس کے بعد ٹیونس کے مشہور محدث علی بن زیاد سے علمِ حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور موطا امام مالک پہلی مرتبہ ان سے پڑھی۔

۱۷۲ھ میں تکمیلِ علم کے لیے مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالک (م ۱۷۹ھ) کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے۔ امام مالک سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد عراق کا رُخ کیا۔ اور عراق میں آپ نے امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) اور امام محمد بن حسن (م ۱۸۹ھ) سے فقہ حنفی کی تعلیم حاصل کی۔ امام محمد بن حسن کی خدمت میں انہیں اختصاص حاصل تھا۔ امام صاحب دن کے علاوہ رات کو بھی ان کو پڑھاتے تھے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن کے علاوہ عراق کے دوسرے ممتاز علمائے کرام سے بھی آپ نے حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

عراق میں تحصیلِ علم کے بعد قاضی اسد بن فرات مصر آئے۔ اور مصر میں آپ نے وقت کے اساتذۂ فن سے اکتسابِ فیض حاصل کیا[1] خاص کر آپ نے عبدالرحمٰن بن قاسم جو امام مالک کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور اپنے علم و فضل اور زہد و ورع کی وجہ سے مصر میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ علمِ فقہ، روایت، رائے اور قیاس میں ان کی یکساں نظر تھی۔ قاضی اسد بن فرات نے ان سے استفادہ کیا۔ اور قاضی اسد بن فرات اپنے اس استاد کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

> اگرچہ امام مالک بن انس کا انتقال ہو چکا ہے تو یہ دوسرا امام مالک ہمارے درمیان موجود ہے[2]

قاضی اسد بن فرات کا روزانہ کا یہ دستور تھا کہ وہ امام عبدالرحمٰن بن قاسم سے فقہی سوالات کرتے اور وہ جو جوابات دیتے اُن کو ترتیب سے لکھتے جاتے۔ اِس طرح مع سوال و جواب ۶۰ جزوں میں مدوّن ہوگئے۔ اور یہی کتاب دنیا میں فقہ کی سب سے پہلی کتاب متنی۔ قاضی

---

[1] تاریخ صقلیہ از مولانا ریاست علی جلد ۲ ص ۲۵۰

[2] ایضاً جلد ۲ ص ۵۰

اسد نے اس کا نام الاسدیہ رکھا۔

اس کے بعد قاضی اسد اپنے وطن قیروان واپس آئے۔ اور ۲۰۳ھ میں قیروان کے قاضی القضاۃ بنائے گئے۔ ۲۱۲ھ میں آپ کے حکم سے صقلیہ کو دارالسلام بنایا گیا۔ ۲۱۳ھ میں قاضی اسد بن فرات نے ایک معرکہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔[1]

قاضی اسد بن فرات کے علاوہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں درج ذیل حنفی ائمہ نے بھی فقہ اور دوسرے اسلامی علوم میں جو گراں قدر علمی خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے۔ ان میں ایک امام ابویحییٰ احمد بن محمد بن قادم (م ۳۲۰ھ) تھے، جن کے بارے میں علامہ دباغ (م ۶۹۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام ابویحییٰ مذہبِ اہلِ عراق (احناف) اور مذہب اہل مدینہ (مالکیہ) کے حافظ تھے۔[2]

صقلیہ کے دوسرے فقیہ ابوالقاسم خلف بن ابی القاسم براذعی قیروانی بھی تھے، جن کے بارے میں قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ)، فرماتے ہیں کہ:

اندلس اور مغرب میں اپنے علم و فضل اور جودت علمی میں مقبول تھے۔[3]

انہوں نے فقہی مسائل پر دو کتابیں مطول التہذیب اور مختصر التہذیب لکھیں اور بقول قاضی عیاض مالکی یہ دونوں کتابیں اہلِ علم میں بہت مقبول ہوئیں۔

صقلیہ کے ایک فقیہ شیخ ابوحفص عمر بن عبدالنور المعروف بابن الحکار صقلی تھے جو اپنے علم و فضل، تحقیق، دقتِ نظر، طرزِ تحریر اور قوت تقریر میں بہت ممتاز تھے اور ارباب سیر

---

[1] معالم الایمان از علامہ دباغ (م ۶۹۶ھ) جلد ۲ ص ۲ تا ۱۳؛ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم از علامہ مقدسی (م ۳۷۵ھ) ص ۲۳۰؛ ترتیب المدارک از قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) جلد ۲ ص ۷۲

[2] معالم الایمان از علامہ دباغ (م ۶۹۶ھ) جلد ۲ ص ۷۲

[3] ترتیب المدارک۔ از قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) جلد ۱ ص ۲۷۰

نے ان کے علمی تبحر کی تعریف کی ہے۔ فقہی مسائل پر آپ کی کتابیں درج ہیں:

۱- شرح المدونۃ! یہ المدونۃ کی شرح ہے اور ۳۰۰ اجزاء پر مشتمل ہے۔

۲- انتقاد علی التونسی فی الف مسئلہ۔

۳- مختصر کتاب التمامات[1]

پانچویں صدی ہجری میں صقلیہ میں ۱۶ فقہائے کرام کے نام تاریخ نے ضبط کیے ہیں جنہوں نے اسلامی علوم وفنون میں گراں قدر علمی خدمات سرانجام دیں۔

ان میں ایک ... ابو محمد عبدالحق بن محمد بن ہارون سہمی قرشی تھے جنہوں نے اپنے علم وفضل کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی۔ علمائے کرام نے آپ کے بارے میں لکھا کہ آپ فقیہ، صاحب فہم، صالح، دیندار، علم وفن کے امام اور اصول و فروع کے استاد تھے۔ فقہ پر آپ نے جو علمی کتابیں تصنیف کیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱- النکت والفروق لمسائل المدونۃ

۲- تہذیب المطالب

۳- جزء فی بسط الفاظ المدونۃ

۴- استدراک علی المختصر البرادعی[2]

شیخ ابو حفص نے ۴۶۶ھ میں سکندریہ (مصر) میں وفات پائی[3] اسی صدی کے ایک فقیہ امام ابوبکر و ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن یونس تمیمی (م ۴۵۱ھ) تھے، جو اپنے علم وفضل اور تبحر علمی کی وجہ سے اہل علم میں مقبول تھے۔ فرائض کے بہت بڑے عالم تھے اور علمائے کرام نے لکھا ہے کہ امام ابن یونس فقہائے مالکیہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ علم فقہ میں ان کی دو کتابیں مشہور ہیں،

---

[1] دیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب از قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی المعروف ابن فرحون (م ۷۹۹ھ) ص ۸۸

[2] ترتیب المدارک از قاضی عیاض مالکی (م ۵۴۴ھ) جلد ۱ ص ۳۷۶

[3] تاریخ صقلیہ از مولانا ریاست علی ندوی جلد ۲ ص ۲۶۹

ایک کتاب شرح المدونہ اور دوسری کتاب الفرائض[1]

چھٹی صدی ہجری میں ۵ ممتاز فقہائے کرام کے نام ملتے ہیں۔ ان میں ایک امام مازری (م ۵۳۶ھ) تھے۔ جو اپنے تبحر فقہ کی تحقیق و تدقیق، اجتہاد، دقتِ نظر اور اصولِ فقہ و علوم دین میں مشہور تھے اور علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ ان کے زمانے میں تمام روئے زمین پہ مذہب مالکی میں ان سے زیادہ تفقہ رکھنے والا اور ان سے زیادہ مذہب سے آشنا کوئی دوسرا موجود نہیں تھا۔

فقہ و اصولِ فقہ پر ان کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ شرح کتاب التلقین

۲۔ ایضاح المحصول من برہان الاصول

۳۔ مجموعہ فتاویٰ

۴۔ تعلیقات بر مدونہ[2]

صقلیہ میں جن فقہائے کرام نے جنم لیا اور جنہوں نے اسلامی علوم و فنون کی اشاعت اور ترقی و ترویج میں اپنی زندگیاں بسر کر دیں۔ تاریخ نے ۲۶ نام ضبط کیے ہیں، مگر میں نے طوالت کے خوف سے صرف ۶ فقہائے کرام کا ذکر کیا ہے۔

علمِ تاریخ علمِ تاریخ پر صقلیہ کے علمائے کرام کی صرف چند کتابوں کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ ان میں ایک کتاب تاریخ ممالک ہے، جس کے مصنف ابن القطاع صقلی (م ۵۱۵ھ) ہیں۔ اور دوسری کتاب تاریخ صقلیہ ہے جس کے مصنف ابوعلی حسن بن یحییٰ ہیں۔[3]

سیرت پر ایک کتاب علامہ ابن ظفر صقلی (م ۵۶۵ھ) کی ہے، جس کا نام خیر البشر بخیر البشر ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحف سماوی کی پیش گوئیاں درج کی گئی ہیں۔ اس کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ پیرس کے کتب خانہ میں ہے اور دوسرا

---

[1] دیباج المذہب از ابن فرحون (م ۷۹۹ھ)، ص ۲۷۴

[2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ از علامہ تقی الدین السبکی (م ۷۷۱ھ) جلد ۲ ص ۲۶۴

[3] معجم الادباء، یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)

قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ عارف حکمت میں موجود ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) نے اپنے مقالہ "حجاز کے کتب خانے" میں اس کا تذکرہ کیا ہے [۱] اور اس کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے۔ ۱۸۶۳ء میں کتاب مصر سے شائع ہو چکی ہے [۲]۔

اس کتاب کے علاوہ ابن نصر صنفلی نے سیرت و طبقات پر جو کتابیں لکھیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اعلام النبوۃ

۲۔ ابناء نجباء الابناء [۳]

---

[۱] معارف اعظم گڑھ۔ علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) جلد ۲۳ ص ۱ تا ۳

[۲] تاریخ صقلیہ از مولانا ریاست علی ندوی جلد ۲ ص ۳۰۴

[۳] معجم البلدان از یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ)

احادیث کا ادبی رُخ

جناب محمد حسین ٹونکی صاحب

(۲)

سادہ زندگی اور عیش وعشرت کی زندگی دونوں زندگیوں کا فرق آپ درج ذیل احادیث سے سمجھیے:

إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ

(عن معاذ بن جبلؓ رواہ احمد - مشکوٰۃ)

ترجمہ: (اے معاذ) دیکھنا عیش پسند زندگی سے بچنا۔ اس لیے کہ اللہ کے بندے عیش پسندانہ زندگی نہیں گذارتے۔

تجمّل یعنی صفائی پاکیزگی اور خوش پوشی کا اہتمام اور تنعّم یعنی مسرفانہ اور عیش پسندانہ زندگی کا اہتمام دونوں میں فرق ہے۔ تجمّل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ جب آپ نیا لباس پہنتے تو آپ کی دعا میں یہ الفاظ بھی ہوتے (اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي حَيَاتِي) ایک اور روایت میں ہے کہ (وَكَانَ يَتَجَمَّلُ لِلْوُفُوْدِ) آپ مہمانوں کے لیے خوش وضع لباس پہنتے۔

تجمّل جب درجۂ افراط پر ہو تو تنعّم بن جاتا ہے اور پھر زندگی عیاشانہ ہو جاتی ہے اور جب یہ درجۂ تفریط پر ہو تو زندگی راہبانہ ہوتی ہے۔ اور تجمّل رہبانیت بن جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان وہ معتدل طرزِ زندگی کیا ہے جسے اختیار کیا جائے۔

شریعت نے اس کا فیصلہ خود مومن کے اپنے زندہ اور صاحب بصیرت ضمیر پہ چھوڑا ہے۔
اور (اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ) کا گرامی ارشاد اسی قسم کے مواقع کے لیے ہے۔

سادہ زندگی کی اہمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں بیان فرماتے ہیں:

اَلَا تَسْمَعُوْنَ - اَلَا تَسْمَعُوْنَ - اِنَّ الْبَذَاذَۃَ مِنَ الْاِیْمَانِ
اِنَّ الْبَذَاذَۃَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (عن ابی امامۃؓ - مشکوٰۃ -
کتاب اللباس)

ترجمہ: اے لوگو! کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کیا تم سنتے نہیں ہو۔ بلاشبہ سادگی ایمان کی نشانی ہے۔ بلاشبہ سادگی ایمان کی نشانی ہے۔

محدثین کرام کے نزدیک بذاذۃ سے مراد ایسی زندگی ہے جس میں تکلف اور تصنّع کی آمیزش نہ ہو۔ خوش پوشی اور زینت پسندی سے اسلام روکتا نہیں ہے۔ لیکن اگر یہی ذوق حد سے تجاوز کر جائے تو انسان اسراف اور فخر و نمائش میں اپنی ساری دولت صرف کر دیتا ہے۔ اس بنا پہ اسلام تنعّم اور رہبانیت کے درمیان ایک متوسط راہ اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

اسی موضوع پہ اور احادیث ملاحظہ کیجیے۔

مَا اسْتَکْبَرَ مَنْ اَکَلَ خَادِمُہٗ مَعَہٗ، وَرَکِبَ الْحِمَارَ بِالْاَسْوَاقِ
وَحَلَبَ الشَّاۃَ (عن ابی ھریرۃ الادب المفرد)

ترجمہ: سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا شخص کبر و غرور سے پاک ہے جو اپنے خادم کے ساتھ شریکِ طعام ہوتا ہے۔ بازار میں گدھے کی سواری بھی کر لیتا ہے اور اپنی بکری کو بھی دودھ لیتا ہے۔

آج ہم میں کتنے لوگ ہیں جو ان ارشاداتِ گرامی کی تعمیل خوش دلی اور رخندہ پیشانی سے سامنے کرتے ہیں۔ جب ہم سفرا و امراء کے ساتھ شریک طعام ہوں تو اپنے خادم کے ساتھ بھی شریکِ طعام ہونا چاہیے۔ جب خود نمائی کے طور پہ طمطراق کے ساتھ گھوڑے پہ سوار ہوں تو بازار میں گدھے پہ بھی سوار ہونا چاہیے۔ اسی طرح بکری کا دودھ دوہتے

یں بھی ہمیں ذلت محسوس نہیں کرنا چاہیے۔
یہ سب سیدھی سادی زندگی کی خصوصیات ہیں۔
حضرت عائشہؓ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانگی مشاغل کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا۔

كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَخْصِفُ نَعْلَهُ، يَخِيطُ وَيَغْلِي ثَوْبَهُ، يَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ۔ (ترمذی)

ترجمہ:۔ آپ انسان تھے، اپنے جوتے کی مرمت فرما لیتے، اپنے کپڑے بھی سی لیتے۔ اُن میں سے جوئیں بھی نکال لیتے۔ اپنی بکری بھی دوہتے اور تمام کام خود کرتے تھے۔

امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے اپنے عمّال کو لکھا تھا۔

لَا تُطِيلُوا بِنَاءَكُمْ فَإِنَّهُ مِنْ شَرِّ أَيَّامِكُمْ

(الادب المفرد)

ترجمہ: طول طویل اور بلند و بالا عمارتیں نہ بناؤ، کیونکہ یہ طرزِ عمل بدترین زمانہ کی نشانی ہے۔

یعنی دولت و ثروت کی نمائش شاندار اُونچی عمارتوں کی صورت میں کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اُمت کی دُنیا پرستی کا دور ہو گا۔ آخرت پرستی کا رجحان مر چکا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُمت کی اِسی دینی پستی کو روکنے کے لیے بند باندھا تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس بند کو ہم نے مستحکم رکھا یا شکستہ کر دیا۔

میانہ روی یعنی درمیانی چال کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یہ ہے:

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ۔

ترجمہ: وہ کنگال نہیں ہوا جس نے میانہ روی اختیار کی۔

گل فشانیِ گفتار کے اس انداز پر ہزاروں انداز قربان ہیں۔ دیکھیے کس قدر خوب صورت مانوس اور عام فہم الفاظ ہیں۔ جملہ کیا ہے گویا سلکِ لآلی ہے۔ سہ لفظی جملہ میں دو فعل ہیں

ایک فاعل ہے - دونوں فعل لازم ہیں - افعال محیط ہیں فاعل مخاطب ہے - الفاظ قلیل ہیں اور معانی کثیر - اس لحاظ سے یہ مختصر جملہ "ایجاز قصر" کا حامل ہے - ایجاز قصر علمائے بدیع کے نزدیک تزئینِ کلام اور زیورِ کلام ہے - اس سے عروسِ کلام میں چار چاند لگ جاتے ہیں -

حدیثِ گرامی میں جو بات بیان کی جا رہی ہے اس میں شک و شبہ کی رمق بھی نہیں - اس میں سرتاسر یقین ہی یقین، حقیقت ہی حقیقت اور مغز ہی مغز ہے - یہ حدیثِ گرامی کی مختصر نحوی اور ادبی خوبیاں ہیں، جو بقدرِ ادراک و فہم بیان کی گئیں -

الغرض شریعت نے تنعّم (عیش پسندی) ہی کے معاملہ میں نہیں زندگی کے ہر معاملہ میں افراط و تفریط کے بجائے اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے -

ادبی محاسن | اب زیرِ بحث حدیثِ پاک کے زبان و بیان کے محاسن پر غور کیجیے -

کَیْفَ اَنْعَمُ میں کیونکر عیش پسند زندگی گزاروں یعنی ہرگز نہیں گزاروں گا - استفہام اقراری ہے انکاری بھی بیان کی خوبی اور اس کا نرالا انداز ہیں - اس فعل میں اقرار سے انکار نمایاں ہے یہ بھی زبان و بیان کی خوبی ہے -

دوسری خوبی اس فعل میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات تو اپنے لیے فرما رہے ہیں مگر اس میں مخاطب کے لیے خصوصی ہدایت ہے - یعنی متکلم مخاطب تو خود سے ہے مگر غائب اور ہی ہیں - یہ بھی ایک اندازِ بیان ہے اور بجائے خود حسن ہے - احادیث اور قرآنِ کریم میں بیشتر مقامات پر یہ خوبی نمایاں ہے -

پھر یہ فعل محاکات سے بھرا ہوا ہے - مجموعۂ تصاویر اور مشترِ تصادیر ہے، اسے پڑھتے ہی حیاتِ طیبہ کے دل سوز اور جانگداز واقعات تصویر بن کر سامنے آجاتے ہیں - ہم ان واقعات کا مکمل احاطہ نہیں کرسکتے - ان کی مکمل تفصیل تو خود قرآنِ کریم ہی نے اس طرح کر دی ہے -

وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد ۲)

ترجمہ :- اور حال یہ ہے کہ (اے ہمارے رسول) اس شہر میں تم کو حلال کر لیا گیا ہے - یعنی ہر ایک کو یہاں امن میسر ہے، حقیر و ناچیز کیڑوں مکوڑوں، مچھروں اور بھنگوں تک کو بھی امن حاصل ہے، مگر اے نبیؐ! تمھیں یہاں کوئی امن نصیب نہیں، تمھیں ستانا اور

تمہارے قتل کی تدبیریں کرنا حلال کر لیا گیا ہے۔
غرض یہ فعل درد و کرب اور غم واندوہ کی جانکاہ تصویروں کا آئینہ دار ہے اور اپنے اندر محاکاتی حُسن و جمال رکھتا ہے۔ محاکاۃ خود منجملہ محاسنِ کلام ہے۔ صَاحِبُ الصُّوْر۔ یہ کنایہ کیسا لطف دے رہا ہے۔ کنایہ بھی کلام کی تحسین و تزئین کا سبب ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر مقامات پر کنایات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً (لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ) میں (صَاحِبُ الْحُوْتُ) کا کنایہ حضرت یونس علیہ السّلام کی طرف ہے۔ (قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ) میں (قُرَّةُ عَيْنٍ) کا چشم فروز کنایہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی طرف ہے۔ جو ابھی قصرِ فرعون میں طفلِ شیر نوش ہیں۔ اور (وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ) میں بعض مفسرین کرام کے نزدیک نجدین کا کنایہ پستانِ مادر کی طرف ہے۔ اسی طرح صاحبُ الصُّور کا کنایہ حضرت اسرافیل علیہ السّلام کی طرف ہے۔

قَدِ الْتَقَمَهٗ:۔ صُور تو پہلے ہی منہ میں لیے ہوئے ہیں۔ افعال سے پہلے قَدْ کا لفظ مختلف معنی دیتا ہے۔ مثلاً قَدْ قَامَ زَيْدٌ کے معنی ہیں زید پہلے سے کھڑا ہوا ہے یا ابھی ابھی کھڑا ہوا ہے۔ قَدْ يَصْدُقُ الْكَذُوْبُ کے معنی ہیں جھوٹا کبھی سچ بات بھی کہہ دیتا ہے یا شاذ و نادر ہی سچ بولتا ہے۔ قَدْ يَقْدُمُ الْغَائِبُ میں اُمید ظاہر کرتا ہے۔ کبھی قد کا لفظ کامل تیقّن کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا اور قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ ...... وغیرہ۔ حدیثِ گرامی میں استعمال ہونے والا یہ فعل آیۂ کریمہ (فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ) کی یاد دلاتا ہے۔ حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی تذکرہ اور مفسر ہے۔ حدیث ہی قرآن کریم کی یاد نہیں دلائے گی تو کونسی شے اس کی یاد دلائے گی۔ سرکارِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ گلفشانیٔ گفتار بدرجۂ غایت قرآن مجید کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ حُسن سے عشق آخر کیوں کر جُدا ہو سکتا ہے۔ احادیث میں استعمال ہونے والے بیشتر مصادر و ماخذ اور افعال و مشتقات قرآنی ہیں۔ زیرِ بحث حدیثِ پاک خود اس کی دلیل روشن ہے۔

اَصْغٰی:۔ اس کا مادّہ (صغا) ہے جس کے معنی ہیں ہمہ تن گوش ہو کر آواز سننا کسی

بات کو سننے کے لیے پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ کان لگانا۔ یہ فعل بارگاہِ الٰہی کی جلالتِ شان کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اور مقتدرِ اعلیٰ کے سامنے اس عظیم فرشتے کے اندازِ قیام اور طرزِ آداب کو بھی بتاتا ہے۔ اَلْتَقَمَہٗ کی طرح یہ فعل بھی قرآنِ کریم میں استعمال ہوا ہے جیسے (وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ (الانعام)

وَحَنٰى جَبْهَتَهٗ: پیشانی کو جھکائے ہوئے۔ یہ فعل بھی قرآنی ہے اور اس سے بھی شرمساری و انکساری اور عجز و نیاز کی ادا ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی اسرافیل علیہ السلام جو سر خیلِ ملائکہ ہیں بارگاہ کبر و جلال میں سرِ نیاز جھکائے کھڑے ہیں اور (يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ) کی تفسیر بنے ہوئے ہیں۔ جَبْهَةٌ اور جَبِيْنٌ دونوں کے معنی پیشانی کے ہیں اور دونوں اسماء قرآنی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ اور وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔

بِالنَّفْخِ: یہ مرکب ہماری آیت کریمہ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ صُور سے متعلق اس آیت مبارکہ کو سن کر بھی ہم خوابِ غفلت سے نہیں چونکتے۔ مخمور، سرشار اور وارفتہ ہی رہتے ہیں جیسے ساغرِ بلّور پیے ہوئے ہوں۔ اے کاش! تصورِ عقبیٰ ہمیں اس خوابِ گراں سے جگا دے اور ہم اپنے حسنِ انجام کی کچھ فکر کریں۔

ادبی و نحوی زاویۂ نگاہ	وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهٗ وَاَصْغٰى سَمْعَهٗ وَحَنٰى جَبْهَتَهٗ۔

حدیثِ گرامی کے اِن تینوں جملوں میں سارا ادبی حسن و جمال اور ساری ادبیت سمائی ہوئی ہے۔ ہر جملہ میں تصویر کشی کا وصف موجود ہے اور تینوں جملے مِل کر ایک زندہ، متحرک اور جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں۔ آخری جملہ جو تصویر پیش کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویر ذوقِ بندگی نے پیش کی ہے۔ کلام کا یہ کمال "محاکاۃ" کہلاتا ہے جو بجائے خود زیورِ کلام ہے۔

نحوی زاویۂ نگاہ سے یہ تینوں جملے "حال" ہیں اور صاحب الصور کا مرکب اضافی [illegible] ہے۔

یوں سمجھیے کہ مشروب ایک ہی ہے مگر پیمانے جدا جدا ہیں۔ ایک پیمانے میں یہ "محاکاۃ" ہے اور دوسرے میں "حال و ذوالحال"۔

پھر یہ کلام بلیغ بھی ہے۔ تینوں جملوں میں بلاغت بھری ہوئی ہے۔ موقع و محل جس تصویر کا تقاضا کرتا ہے اُسی انداز کی تصویر ہے۔ یہ لفظی تصویر بغیر سوچے سمجھے اُوٹ پٹانگ طریقہ پر نہیں کھینچ دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس میں پورا پورا غور و خوض اور پوری پوری ذہنی و دماغی کاوش فرمائی ہے۔ موزوں اور مانوس الفاظ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ قرآنی افعال و مشتقات جمع کیے گئے ہیں۔ اور پھر حسین بندش اور دل آویز ترکیب کے ذریعے جملے بنائے گئے ہیں۔ اِس ذہنی کاوش اور دماغی عرق ریزی کے بعد یہ تصویر بنی ہے۔ پیکر تصویر کا پیرہن کیسا ہونا چاہیے۔ اُسے خدائے ذوالجلال کے سامنے کن آداب کو ملحوظ رکھنا چاہیے، اُس کا اندازِ قیام کیسا ہو، سماعتِ احکامِ الٰہی کا طریقہ اور ان کی طرف توجہ کی نوعیت کیا ہو، عجز و نیاز کی ادا کیسی ہو، بندگی و عبدیت کا سلیقہ کیا ہو، تصویر میں یہ چیزیں نمایاں ہیں۔ اِس طرح اس لفظی تصویر کو موقع و محل کے ساتھ کامل تطابق حاصل ہے۔ اور اسے دیکھ کر ذوقِ سلیم پکار اُٹھتا ہے کہ مصورِ حقیقی کے سامنے تصویر کا یہی انداز ہونا ہونا چاہیے۔ بلاغت اسی سے عبارت ہے۔ اِسی کو گفتار کی گلفشانی کہتے ہیں اور یہ جناب خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی و انفرادی حصہ ہے۔

رسائل و مسائل

المسئلۃ الشرقیہ

سوال :- کچھ عرصہ پہلے سید انیس شاہ جیلانی کا لکھا ہوا خاکہ "نیاز فتح پوری" پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ شاہ صاحب نے نیاز فتح پوری سے حضرت مولانا مودودیؒ کی ناراضگی کی وجہ یہ لکھی تھی کہ فتح پوری نے مولانا مرحوم کی کوئی کتاب اپنے نام سے شائع کرا دی تھی۔

اب "تذکرۂ علمائے پنجاب" مصنف اختر راہی کا مطالعہ کیا تو مولانا مرحوم کے ذکر میں لکھا ہوا پڑھا کہ مولانا مودودیؒ نے "مسئلہ شرقیہ" کا ترجمہ کیا تھا، یہ مصطفیٰ کمال پاشا مصری کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جو منڈی بہاؤ الدین سے نیاز فتح پوری کے نام سے شائع ہوئی۔

میری طبیعت میں تجسس بڑھا ہے اور ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچوں۔ "مسئلہ شرقیہ" اٹھا کر دیکھتا رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ کر سکا طرزِ تحریر اور اسلوبِ نگارش سے۔ اب آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ آپ ہی کوئی فیصلہ کر دیجیے۔

جواب :- آپ اس خلجان میں پڑنے کے بجائے کاش کہ فتح پوری صاحب کے کردار نشوونما اور ان کے شعار و اطوار کو باریکی سے سمجھتے۔ پھر آپ کو مشکل پیش نہ آتی۔ ایک بہت بڑی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں جس کی تفصیلات کراچی کے ادبی پرچوں میں آچکی ہیں۔ موصوف نے خدا نمبر ایک صاحب سے مرتب کرایا اور پھر ان کے حق حقوق تو کیا ان کا نام

تک غائب کر کے اپنا نام لکھ دیا۔ پھر ایسی ہی ایک شکایت سید سلیمان ندوی کو بھی ان سے ہوئی۔ مولانا مودودیؒ تنہا ہی نیش خوردہ نہیں ہیں۔ اصل میں نیاز صاحب نے اپنے معلم مولوی صاحب کی درشتی سے ایسا شدید ردّعمل لیا جس کا انھوں نے خود ذکر کیا ہے۔ پھر مولوی یا دین کی طرف سے جو بھی چیز سامنے آئی اس سے انھوں نے انتقام لیا۔ ایسی ردّعملی کیفیات جن کرداروں میں پائی جائیں وہ اپنے پیچھے نیم جنونی کیفیت رکھتے ہیں۔ ردّعمل سب میں پیدا ہوتے ہیں مگر ایسی کیفیات کو جب غور و فکر اور صبر و تحمل سے گذار کر اعتدال پر لایا جاتا ہے تو بہت اچھے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔ مگر جن شخصیتوں پر ردّعمل سوار ہو جائیں ان کی حرکات کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا ہوں گی۔

خیر یہ تو راقم کے ذاتی تاثرات ہیں۔ اب آیئے اصل مسئلے کی طرف۔ آپ جاننا چاہتے ہیں کہ مسئلہ شرقیہ کا ترجمہ مولانا مودودی نے کیا تھا اور اسے نیاز صاحب نے اپنے نام سے چھاپا۔

اس سلسلے میں دونوں فریق اس دنیا سے جا چکے — صرف ان کی تحریریں یا ان سے ملنے یا خط و کتابت کرنے والے لوگ باقی ہیں۔

محمد سعید صاحب ڈھاکہ نے ایک بار مولانا سید مودودی کو اسی سلسلے میں خط لکھا تو جواباً مولانا نے اپنے خط مورخہ ۷ فروری ۱۹۷۱ء (لاہور) میں یہ تحریر فرمایا:

> "میں صرف ایک دو مثالیں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ نیاز صاحب نے میرے ساتھ کیا کیا بددیانتیاں کی تھیں۔ مصطفیٰ کمال پاشا مصری کی کتاب المسئلۃ الشرقیہ کا ترجمہ میں نے کیا تھا۔ اور ان کو اشاعت کے لیے دیا تھا، انھوں نے اس کو اپنے نام سے چھاپ دیا اور ترجمہ کا کوئی معاوضہ تک مجھے نہ دیا۔
>
> میں نے ایک نہایت مفصل مضمون اُن معاشی نقصانات پر لکھا تھا جو انگریزی حکومت نے ہندوستان کو پہنچائے تھے۔ وہ میری مہینوں کی

(باقی بر صفحہ ۵۶)

انتخاب و اقتباس

کیا "چار دیواری" قید خانہ ہے؟[1]

مظہر علی ادیب - ایم اے اسلامیات

(۱)

حال ہی میں صدر ضیاء نے ایک مقامی کالج کی تقریب تقسیم اسناد کے موقع پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "اسلام عورت کو چار دیواری میں قید رکھنے کے حق میں ہرگز نہیں، بلکہ عورت کو معاشرے کا فعال رکن ہونا چاہیے ـــــ اسی لیے ماضی میں عورتیں میدانِ جنگ میں مردوں کے شانہ بشانہ شریک ہوئیں"۔

صدر ضیاء نے اپنی اوّلین ریڈیائی تقریر میں اپنے آئندہ عزائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: "چادر اور چار دیواری کا تحفظ کیا جائے گا"۔ حیرانی ہے کہ وہی صدر ضیاء آج دس سال کے بعد گھر کی "چار دیواری" کو "قید خانے" سے تعبیر کر رہے ہیں اور وہ بھی اسلام کے حوالے سے! صرف دو ماہ قبل صدر صاحب نے ایک سرکاری "خواتین سیرت کانفرنس" سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ "معاشرہ خاندان کے گرد گھومتا ہے اور خاندان عورت کے گرد گھومتا ہے"۔ اب صدر صاحب

---

[1] محترمی برادرم مظہر ادیب صاحب کی اس تحریر میں کمالِ اجمال کے ساتھ ماڈرن خواتین کے بلند کردہ نعروں کو مغربی تمدن و معاشرت کے واقعاتی احوال کی روشنی میں دکھایا گیا ہے ـ بے اختیار جی چاہا کہ ترجمان القرآن کے قارئین، خصوصاً خواتین اور طالبات ان معلومات سے ضرور آگاہ ہو جائیں ـ (ادارہ)

"گھر ،بلو اور خاندان کی محور عورت" معاشرے کا فعال رکن ہی تصور نہیں کرتے! یہ ایک ہی سانس میں دو متضاد باتیں کیوں؟

یہ کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے ، کسی انسان کا نہیں ، خود خدا کا پیش کردہ تصور ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ الاحزاب (۳۳) میں اللہ تعالیٰ کا صاف اور واضح ارشاد ہے۔ "اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے "بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو"۔ سورۃ النحل (۸۰) میں فرمایا۔" اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا"۔ اسی طرح حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے" (حضرت عائشہؓ سے خطاب کرتے ہوئے) تم اپنے گھر میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے" (مسند احمد۔ جلد ۶ ص ۶۸) ۔" عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے" (ترمذی۔ باب الرضاع) حضرت عمرؓ کا قول ہے۔" عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے، لہٰذا تم اس کو گھروں میں چھپاؤ" (عیون الاخبار جلد ۴ صفحہ ۷۸)۔ حضرت عائشہؓ کے جنگ جمل میں شرکت کرنے کے موقع پر حضرت اُم سلمہؓ نے انہیں ایک خط لکھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"آپؓ کی حیثیت رسول اللہؐ اور اُمت کے درمیان ایک دروازے کی ہے اور آپؓ کا حجاب گویا اس پر حرمت کا پردہ ہے۔ اللہ نے آپؓ کو گھر میں بٹھایا ہے۔ پس گھر کو چھوڑ کر میدانِ جنگ میں نہ چلی آیئے ...... آپؓ حضورؐ کے قائم کردہ پردے کو اپنا ستر اور گھر کے صحن کو اپنا قلعہ بنائیں۔ آپؓ حقیقت میں اُمت کی خیر خواہ اُسی وقت ہوں گی جب کہ آپؓ ان کی مدد کے لیے میدان میں جانے کے بجائے گھر میں رہیں" (العقد الفرید جلد ۳ ص ۹۶۔ الامۃ والسیاستہ جلد ۲ ص ۵۷)۔

علامہ اقبالؒ کا قول ہے!" عورت کا جنسی تقدس اس امر کا متقاضی ہے کہ اسے اجنبی نگاہوں سے ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ عورت ایک بہت ہی عظیم ذریعہ تخلیق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دُنیا کی تخلیقی قوتیں مستور و محجوب ہیں" (مضمون شائع شدہ لیور پول پوسٹ لندن ۱۹۳۳ء)۔ جرمن مصنف رچرڈ گرن برگر" نازی جرمنی کی سوشل تاریخ" میں لکھتے ہیں۔ عورتوں کے لیے اس دور کا نعرہ بچے، چرچ اور باورچی خانہ تھا۔ ہٹلر کے دور میں یہ نعرہ" عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے"

زیادہ شدت سے گونجنے لگا۔ ہٹلر کا کہنا تھا کہ ہم نے عورتوں کو پبلک لائف سے جو علیحدہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو عزت کا مقام دینا چاہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ہم ان کی عزت نہیں کرتے، بلکہ چونکہ ہم اُن کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں اس لیے ہم اُن کو پارلیمانی جمہوریت کی گندگی سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ روس کے شہرۂ آفاق مفکر طالسطائی اپنی کتاب "کم البتی" میں لکھتے ہیں "عورت کا زیور اس کی پاکدامنی ہے اور پاک دامن وہ عورت ہو سکتی ہے جو گھر کی چاردیواری میں رہتی ہو" لنڈبرگ اور فارنہم اپنی تصنیف "ماڈرن ویمن" میں لکھتے ہیں "اعداد و شمار یہ واضح کرتے ہیں کہ مرد کی کام کرنے کی طاقت اور قابلیت ۳۰ سے ۶۰ فیصد تک بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کی بیوی اس کا گھر سنبھال لیتی ہے"۔ علامہ ابن الہمام (فتح القدیر جلد ۳ ص ۳۳) فرماتے ہیں "گھر سے باہر بہت زیادہ (عورتوں کی) آمد و رفت رکھنا فتنے کے دروازے کو کھولنا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہ نوجوان ہو......" اسلام نے عورت کی گھریلو ذمہ داریوں یا اس کی اندرونِ خانہ مصروفیات کا یہاں تک احترام کیا ہے کہ اُسے جہاد، اجتماعی عبادات جنازوں میں شرکت وغیرہ کے فرائض سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ قاضی ایک باپردہ عورت کو عدالت میں نہیں بلا سکتا۔ قاضی اس خاتون کے گھر جا کر فیصلہ کرے گا یا نائب کو بھیج کر اس کے گھر پر ہی فیصلہ کروالے گا۔ (الماوردی ادب القاضی ۲، ۳۲۵) "حضرت عمرؓ کے دور میں ایک لڑکی نے اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے نوجوان کو قتل کر دیا تھا تو حضرت عمرؓ اس لڑکی کے گھر خود گئے اور اس کے حالات پوچھے۔

دورِ اول میں چند خواتین کی جنگوں میں شرکت کسی اُصول کے تحت نہیں تھی، بلکہ ہنگامی ضرورت اور حربی، سیاسی وملی مصالح کی بنیاد پر تھی۔ نیز اس وقت تک ستر وحجاب کی تفصیلی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں، مزید برآں یہ شرکت ہمیشہ اپنے قریبی عزیز واقارب کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور عموماً ان کا دائرہ عمل بھی انہی تک محدود رہتا تھا۔ (شرح مسلم، جلد ۲ ص ۱۱۴)

جب ہنگامی ضرورت اور خصوصی مصلحتیں ختم ہوگئیں تو ان "چند خواتین" کو بھی واپس "گھر" بھیج دیا گیا اور اگر کوئی خاتون بضد ہوتی تو حضور اکرمؐ اس پر ناراض ہوتے اور پوچھتے "تم کس کے ساتھ گھر سے نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں" (مسند احمد جلد ۵ ص ۲۷۱)۔ خواتین کی جنگوں میں شرکت ایک استثنائی

شکل ہے، اگر آج بھی ایسی ضرورت پیش آجائے تو وہ شریک ہو سکتی ہیں۔ لیکن جوں ہی یہ "ضرورت" ختم ہو گی خواتین کو اپنے اصلی محاذ "گھر" پر واپس جانا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو "گھر" میں وقار سے "جمے" رہنے کا حکم دیا، اس نے اس حکم کو توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے "گھر" کو "جائے سکون" بنایا، عورت نے گھر کو "قید خانہ" سمجھا اور "سکون" کی خاطر اس سے باہر نکل آئی۔ لیکن اس "حکم عدولی" اور "غلط تصور" کے بڑے ہولناک نتائج نکلے۔

۱۔ اپنی عصمت جیسی انمول دولت گنوا بیٹھی۔ کنزے انسٹی ٹیوٹ آف سیکس ریسرچ کے مطابق ہر دسویں امریکن عورت بن بیاہی ماں ہے۔ برطانیہ میں ۱۹۸۱ء میں ایک لاکھ باسٹھ ہزار ۴۵ عورتوں نے اسقاط حمل کرایا۔ (امروز ۲۴ جنوری ۸۵ء) ڈاکٹر آئی اے سکاٹ میڈیکل آفیسر لندن کے مطابق "لندن میں ہر دسواں بچہ ناجائز پیدا ہوتا ہے۔" فادر پیڈرو ایروپ نے رائٹر ایجنسی کو ایک بیان میں بتایا "جاپان میں ناجائز حمل گرانے کے ذریعے جو معصوم لوگ ہلاک ہوئے ان کی تعداد ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کے نتیجے میں مرنے والے بے گناہ لوگوں سے زیادہ ہے۔

۲۔ بچوں کو اپنی ممتا سے محروم کر کے انہیں پاگل بنا دیا۔ صرف امریکہ میں ایسے بچوں کی تعداد اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں چار کروڑ ہے۔ (برٹش میڈیکل جرنل مارچ ۸۲ء) ماں کی تربیت سے محروم بچے حد درجہ آوارہ منشیات کے عادی اور اخلاقیات سے بالکل عاری اٹھ رہے ہیں۔ ہر سال قتل و غارت، اغوا، جسمانی مار پیٹ، ڈاکہ، راہ زنی، دھوکہ دہی اور کار چرانے کے جرائم میں بالترتیب ایک دو چار پانچ، تین چھ اور سات فیصد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ خود عورت بھی ان شرمناک جرائم میں ملوث ہے اور آوارہ لڑکیوں کے لیے علیحدہ جیل خانے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔

۳۔ گھر سے باہر غیر فطری کاموں میں الجھنے کی وجہ سے خود عورت بیمار ہے۔ چھاتی کے سرطان سے صرف چین میں ڈیڑھ منٹ کے بعد ہر چھٹی عورت موت کی نیند سو جاتی ہے۔ "دکھی گھرانہ" شمارہ جنوری امراض خبیثہ وبائی صورت اختیار کر چکے ہیں۔

۴۔ ازدواجی زندگی میں عدم استحکام۔ مغربی ممالک میں ہر تیسری شادی کا انجام طلاق ہوتا ہے۔ ازدواجی زندگی باہمی اعتماد، خلوص اور محبت سے عاری ہے۔ آپس میں مار پیٹ کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ (دی نیشن لاہور جنوری ۸۳ء) ۔ گھر میں کوئی دیکھ بھال کرنے والا

نہ ہونے کی وجہ سے بوڑھے والدین "اولڈ ہومز" میں پڑے ہوئے ہیں اور قریبی عزیز و اقارب میں سے کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہے۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں عورت کے گھر کو خیر باد کہنے اور بیرونِ خانہ سرگرمیوں میں شرکت کے باعث بگاڑ نہ پیدا ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں "خواتین واپس گھر جائیں" کی مہم پورے زور شور سے شروع ہو چکی ہے۔ بعض ممالک میں شادی کے بعد عورت کی ملازمت پر پابندی لگائی جا رہی ہے اور انہیں باور کرایا جا رہا ہے کہ جوتے، کپڑے یا پستول بنانے والے کارخانوں سے کہیں زیادہ "کارخانہ" (یعنی گھر) اہم ہے، جو انسان بناتا ہے۔ حد یہ ہے کہ بے خدا روس کے رہنما گوربا چوف بھی اب یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "خواتین کو اپنی خاندانی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں۔ اور "مرد جنگ کی آگ" اور "عورتیں باورچی خانے کی آگ" جلانے کی زیادہ اہل ہیں (کتاب وومن ... "جنگ" ۱۸ نومبر ۱۹۸۸ء)۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت خود طبعاً کئی کئی دنوں سے لے کر کئی کئی مہینوں تک پابند خانہ رہنے پر مجبور رہے۔ گھر کی چار دیواری عورت کے لیے "قید خانہ" نہیں ہے، اس کے سچے آرام و آسائش کی مقدس جگہ ہے۔ یہی گھر کی "چار دیواری" اس کی عزت و ناموس کی محافظ ہے ... اس کی عصمت و عفت کی پناہ گاہ ہے۔ اس کی نسوانیت و نسائیت کی پاسبان ہے۔ اس کی عظمت و توقیر کی نگران ہے۔ اس کی فطری آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا مرکز ہے۔ "گھر" ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس کی دعوت نہ صرف بنیاد فراہم کرتی ہے بلکہ اس کی آئندہ تعمیر و ترقی کی بھی وہی ذمہ دار ہے۔ "گھر" سے خاندان، "خاندان" سے معاشرہ اور معاشرے سے ریاست وجود میں آتی ہے۔ "گھر" کی مضبوطی خاندان کی مضبوطی ہے اور خاندان کی مضبوطی معاشرے اور ریاست کا استحکام ہے۔ عورت جب "گھر" کو چھوڑتی ہے اور اس کی مقدس چار دیواری کو پھلانگتی ہے تو یہ "ادارہ" ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور نتیجۃً سارے معاشرے اور ساری سیاست میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہ چند ابدی اٹل حقیقتیں ہیں کہ جنہیں کسی بادشاہ کے کہنے پر یا چند عورتوں کے ان کے برعکس نعرہ بازیوں اور ہاؤ ہو سے بدلا نہیں جا سکتا۔ انجام کار ان حقیقتوں کے تسلیم کرنے ہی میں پوری انسانیت کی فلاح و کامرانی مضمر ہے۔

---

(۲)

نوری محفل ـــــ تعارف اور طریق کار

جناب میمونہ بھٹہ ۔ الجامعۃ المحمدیہ ۔ سٹیلائیٹ ٹاؤن ۔ راولپنڈی

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (القرآن)

موجودہ دور مادی ترقی کا دور ہے جس نے انسانی خواہشات و جذبات کو بے لگام کر دیا ہے ۔ چنانچہ معاشرے کا ہر فرد حصولِ زر اور معیارِ زندگی کی بلندی کے لیے اپنی زندگی کی جملہ توانائیوں کا سارا رس نچوڑ دینے کے لیے بے قرار ہے ۔ مرد تو مرد عورتیں بھی اس دوڑ میں پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتیں ۔ اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ بچوں کی تربیت کے اہم اور مقدس فریضے کی بجا آوری میں مجرمانہ غفلت برتی جانے لگی ہے اور انہیں تعلیمی اداروں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا گیا ہے ، جبکہ یہ ادارے (سرکاری ، غیر سرکاری امراء کے لیے پبلک سکولز ، غیر ملکی اور مشنری ادارے ، اردو میڈیم اور انگلش میڈیم) ملتِ اسلامیہ کی نوخیز کلیوں کے قلوب میں فکری و عملی انتشار ، طبقاتی منافرت اور دین و تہذیبِ اسلامی سے نفرت و بیزاری کا زہریلا بیج بونے میں (شعوری یا غیر شعوری طور پہ) کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے ۔

دوسری طرف ہماری مساجد دعوت و تبلیغِ دین کے نام پہ مذہبی گروہ بندیوں اور مسلمانوں کی تکفیر کی گرم بازاریوں کے اکھاڑے بنتی جا رہی ہیں ۔ عامۃ الناس معاشی مسائل و ضروریات کے گھن چکر میں گرفتار ہیں اور انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ اس طوفانِ بلا خیز کی تباہ کاریوں کا تصور کر سکیں اور اس سے نجات حاصل کرنے کی فکر کریں ۔ دینی مدارس میں عام طور پر ان بچوں کا داخلہ ہوتا ہے ، جو وسائل سے محرومی کے باعث رائج الوقت تعلیمی نظام میں جگہ نہیں پاتے ۔ اس لیے ان کا احساسِ محرومی انہیں مختلف نفسیاتی عوارض میں مبتلا کر دیتا ہے ۔ پھر ان مدارس کا نصاب (سوائے قرآن و حدیث کے جس کی مقدار ابتدائی درجوں میں نہ ہونے کے برابر ہے) عصری ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت سے عاری ہے اور طریقۂ تعلیم میں بھی جدید تحقیقات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا ۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے قیام و طعام اور دیگر مراعات اور سہولیات بھی ہرگز قابلِ رشک نہیں ۔ جدید عالمی تحریکات ، غیر مسلموں کے ہتھکنڈوں اور سادہ لوح انسانوں بالخصوص مسلمانوں کو دینِ متین سے برگشتہ خاطر کرنے کے لیے مکارانہ

حیلوں سے یہ قطعی ناواقف ہیں۔ اس لیے اصلاحِ احوال ان کے بس کا روگ نہیں۔
اُمید کا آخری سہارا حکومت، جو اسلام کے نام پہ متمکن ہوتی تھی، ہو سکتا تھا۔ لیکن شریعت کے نفاذ میں مجرمانہ غفلت، مخلوط نظامِ تعلیم کو جاری رکھنے پہ اصرار اور خواتین یونیورسٹی کے قیام کو رواضح وعدوں کے باوجود، ہر حال میں روکنا، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل الغرض جملہ ذرائع ابلاغ کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ بے حیائی اور فحاشی کے فروغ کے لیے آلہ کار بنانا، ایسے اقدام ہیں جن کی موجودگی میں حکومت سے خیر کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔
ان ہوشربا حالات میں ہر حساس مسلمان مرد و زن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی اس تہذیبی نیّا کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے اپنا سا زور لگائے۔ چنانچہ ہم نے ایک محدود دائرے میں اللہ کا نام لے کر **نوری محفل** کا آغاز کر دیا ہے تاکہ چھوٹے بچوں کی ایک جماعت منظم کر کے اسلامی عقائد و اخلاق ان کے دل و دماغ میں راسخ کیے جائیں اور ابتدا ہی سے انھیں اسلامی زندگی کا خوگر بنایا جائے اور موجودہ ہمہ جہت دینی و اخلاقی زوال آشنا معاشرے کی تباہ کاریوں سے انہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے تاکہ یہ معدودے چند بچے اور بچیاں مستقبل کی اُمیدوں کا سہارا بنیں۔
اس مقصد کے حصول کے لیے تقریباً ایک سال قبل جامعۃ محمدیہ ایف بلاک مارکیٹ، سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی سے متصل مکان کے ایک کمرے میں چند بچوں کو جمع کر کے محترمہ عامرہ احسان صاحبہ کی زیرِ سرپرستی پہلا اجلاس کیا گیا۔ ایک سال کے اندر اندر بفضلہٖ تعالیٰ راولپنڈی اور اسلام آباد میں **نوری محفل** کی مزید چند شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔ **نوری محفل** میں شریک ہر بچہ ہفتہ وار اجتماع کے لیے قرآن مجید کی چند آیتیں، ایک حدیث پاک یا صرف ترجمہ اور کچھ بچے حمد و نعت اور منتخب کلام یاد کر کے لاتے ہیں۔ درسِ قرآن و حدیث کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مسنون دُعائیں دہرائی جاتی ہیں اور اجتماعی مطالعہ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس سے دینی سرگرمیوں کے لیے ذوقِ عمل پیدا ہو رہا ہے اور یہ بچے کھیل کود میں بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اپنی محفل کے بچوں کے ساتھ کھیلیں جس سے ان کے اندر تنظیمی احساس مستحکم ہو رہا ہے۔
ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک بھر میں تحریکی گھروں اور حلقوں میں یہ کارِ خیر شروع کیا جائے۔

مطبوعات

ادب القاضی | مؤلف : جناب امام ابوبکر احمد بن الخصاف ۔ شرح از برہان الائمہ حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری ۔ اردو ترجمہ : جناب سعید احمد، فیلو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی۔ اسلام آباد۔ جلد اوّل کاغذ عمدہ، ٹائپ کی اچھی طباعت، سرورق دبیز، صفحات : ۲۷۲ قیمت : -/۶۰ روپے۔

ادب القاضی کے زیر عنوان جو مفید اور ضروری فاضلانہ بحثیں اور ان کی شرح ہے، اس میں بڑی وسعت و عمق ہے۔ میں پہلے مجملاً موضوع کا تصور دلانا چاہتا ہوں۔ دراصل ہمارے اسلامی نظامِ قانون کا یہ وہ اہم ترین شعبہ ہے کہ اس عدالتی طریقِ کار روائی (LAW PROCEDURE) کو متعین کرتا ہے۔ یعنی عدلیہ یا کورٹ کس طرح کام کرے اور قاضی (جج یا مجسٹریٹ) کن امور کی پابندی کرے۔

اپنے ابتدائی دور میں نہ جانے کیا ضرورت مجھے پیش آئی کہ فقہ کی کسی بڑی کتاب میں میں نے اس باب کو نکالا اور پھر اس کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہوئے حیران رہ گیا کہ ہمارے اسلاف نے کئی سو سال پہلے (کتاب زیر تبصرہ مصنف کا سالِ وفات ۲۶۱ھ ہے) عدلیہ اور افسرانِ عدالت کے لیے ایسے اصول و حدود کتاب و سنت کی بنیاد پر طے اور مدون کر دیئے تھے جو آج بھی ترقی یافتہ مغرب میں معمول بہا ہیں۔ آج ہم ان چیزوں کو مغرب میں دیکھتے ہیں تو مرعوب ہوتے ہیں، حالانکہ اگر خالی الذہن ہو کر صدیوں پہلے کے اپنے کام کو دیکھیں تو شاید اپنے آپ سے مرعوب ہو جائیں اور اپنے آپ پر محبت آنے لگے۔

عدلیہ کا طریقِ کار اور عدالتی کارروائی اور ججوں کے اختیار اور ان کی عملی ذمہ داریوں ہی تک

موضوع محدود نہیں ہے، بلکہ اس دائرۂ بحث میں منصبِ قضا کی حیثیت اور ذمہ داری، شہادت اور اس کے متعلق احکام، فریقینِ نزاعات کے سامنے طریقِ معاملہ، قاضی کے اوصاف، افسرانِ عدلیہ کا تقرر یا معزولی اور کچھ دیگر امور بھی شامل ہیں۔

مندرجات میں منصبِ قضا کی اہمیت اور اخروی جواب دہی کے لحاظ سے نزاکت اور پھر اس کے بعد عہدۂ قضا قبول کرنے والے لازمی شرائط و اوصاف کا بیان۔

ذرا انتباہ سنیے: "جاہل آدمی جو جہالت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے ...... یا ..... جو عالم علم کے بغیر فیصلہ کرے تو وہ جہنم میں جائے گا" (ص: ۸۸) اس سلسلے کی بحث بڑی اہم ہے۔ پھر عملی طور پر قاضی میں مطلوبہ صفات کا ذکر ہے۔

نظامِ عدالت کے بارے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کے نام حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اہم مراسلہ (ص ۱۱۴ تا ۱۲۵) یہ گویا کتاب کا مرکزی جوہر ہے جس میں کتاب و سنت اور اجماع کے تقاضوں سے ماخوذ اصول جمع کر دیے گئے ہیں۔

پھر قضا و اجتہاد کے اصولوں کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، قاضی شریحؒ کے ارشادات۔ پھر عدالتی ضروریات اور کارروائی کی تفصیلی امور پر گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔ قاضیوں کی معزولی، جانے والوں سے چارج لینا، قیدیوں سے متعلق امور، امانات کے متعلق ہدایات، منقولہ و غیر منقولہ جائیداد اور عام سامان کے متعلق مسائل۔ علاوہ ازیں مزید بہت سی مفید اور ضروری بحثیں جو دس بابوں میں تقسیم ہیں۔

تمام اہلِ علم کے مطالعہ کے لیے موزوں ہے ہی، لیکن اس دور میں اسلام کے قانونی و عدالتی نظام پر لکھنے اور مناسب ادارے قائم ہوں تو ان میں کام کرنے کے لیے ایسی کتابیں بہت قابلِ قدر ہیں۔

۱۹۸۶ء کا اقبالیاتی ادب	از جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ ناشر: اقبال اکیڈمی پاکستان-

دفتر فروخت کتب ۱۱۶- میکلوڈ روڈ، لاہور۔ قیمت: ۴۵/- روپے

اس موضوع پر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے ایک مدت سے مسلسل ایسا سائنٹیفک مواد پیش کیا ہے کہ اب یہ موضوع اُن کے بے مقدر ہو گیا ہے۔ اس میدان میں انہوں نے بڑی محنت کی ہے اور

اپنے مطالعہ کو بہت وسیع رکھا ہے، نیز جن معاملات میں اختلافی بحثیں اُٹھیں، اُن کے بارے میں ضروری حد تک تحقیق کی ہے۔ اقبال کے متعلق لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جہاں جہاں ضروری تھا انہوں نے کتابوں مندرجات اور اُن کی رُوحِ مقصد کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے اور لکھنے والوں کا ضروری تعارف بھی شامل کتاب ہے۔ اِس طرح یہ کتاب ۱۹۸۶ء کے اقبالیاتی ادب کا محض انڈکس نہیں ہے، بلکہ پورے ایک سال کے ادب کا جائزہ بھی پیش کرتی ہے۔ جیسا کہ ٹائیٹل پہ درج ہے — "ایک جائزہ"!

عُروجِ اقبال | از پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی - ناشر: بزمِ اقبال، کلب روڈ، لاہور۔ بڑے سائز کے ۴۳۳ صفحات، سادہ خوب صورت مضبوط جلد و گرد پوش کے ساتھ - طباعت ٹائپ میں - قیمت: -/۱۲۰ روپے۔

صدیقی صاحب سے ابتدائی تعارف اسی دور میں ہوا جب وہ [illegible] بتلا کو [illegible] ٹ کر رہے تھے اس کے بعد ان کی سات آٹھ کتابوں (مندرجہ فلیپ کتاب ہذا) آچکیں مگر ہماری دوستی ربط کا ایسا رشتہ تھی کہ وہ برسوں کی دُوری کے ساتھ ساتھ طویل ہوتا گیا مگر ٹوٹا نہیں - یہ کتاب ہدیہ برادرانہ کے طور پہ آئی تو دلی ربط کے مرجھاتے ہوئے جذبے کا وہی حال ہوا جیسے سوکھے دھانوں میں پانی پڑ جائے -

ڈاکٹر صاحب جیسے فاضل آدمی نے اپنے لیے اقبال کے متعلق ایک ایسا موضوع تلاش کیا ہے جو گویا ایک طرح کی صدائے احتجاج ہے ان سرسری موضوعات کے خلاف جن کے تحت دو چار شعر لے کر تحقیقی کتابیں تیار کر دی جاتی ہیں -

اب مشکل یہ آ پڑی کہ اس انسائیکلوپیڈیائی منصوبے کے کام کی پہلی جلد کا بھی چند سطروں میں کس طرح اور کیا تعارف کرایا جائے، سوائے اظہارِ عجز کے! — آخر یہ اظہارِ عجز بھی تو ایک تبصرہ ہے - میں تو اتنا ہی عرض کر سکتا ہوں کہ یہ عروجِ اقبال کس مقصد سے لکھی گئی - یہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کے ارتقا کا دور بدور جائزہ پیش کرتی ہے - کچھ یوں سمجھیے جیسے کسی عمارت کی بنیاد سے لے کر آخر تک ایک ایک اینٹ کا جائزہ لیا جا رہا ہو کہ وہ کیسی ہے، کس مٹی سے بنی، کہاں سے آئی، کس نے اسے

بنایا؟ اور عمارت کو اس نے کیا دیا۔ یہ جاننا یا دوسروں کو بتانا آسان کام نہیں کہ کوئی شخصیت اپنے فکروفن کے ساتھ کیسے بنی۔ اس کے لیے ڈاکٹر افتخار صاحب نے مطالعہ کے صحراؤں کی بہت خاک چھانی اور حقائق کے سمندروں کی غواصی کی۔ اقبال کی زندگی کا ایک ایک مرحلے میں جن اشخاص، واقعات اور اداروں سے واسطہ ہوا ان کا پورا جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ ان کا کیا اور کتنا اثر ہے اقبال کے احساسات و اظہارات پر۔ ۴۰۰ سے زائد صفحات لکھ کر ابھی تو افتخار صدیقی صاحب نے ۱۹۰۸ء تک کا سفر طے کیا ہے۔ ابھی تو وادیِٔ دور و دراز باقی ہے۔ اگلے حصۂ بحث کا نام شاید وہ "کمالِ اقبال" رکھنا چاہتے ہیں۔

اقبال کے ذوقِ حُسن یا جمال پسندی کے بارے میں یہ ایک اچھا نوٹ ہے کہ "اقبال کی فطرتِ سلیمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ جمال پسند ہوتے ہوئے بھی انہوں نے جمال پرستی کو اپنا نصب العین نہیں بنایا۔ دوسرے یہ کہ اقبال جمالِ صورت سے صرف ذوقِ نظر کی حد تک متاثر ہوتے تھے۔ گویا وہ چشمِ ظاہر کے علاوہ دیدۂ باطن سے بھی شخصیت کو دیکھتے اور پرکھتے تھے...... ان کے جمالیاتی مشاہدوں میں قلب و نظر کی پاکیزگی کا عنصر ہمیشہ شامل رہتا" (ص: ۳۱۹) افتخار صاحب نے اس اجمال کو شواہد و دلائل سے خاصی تفصیل دی ہے۔

بحث کی اس اہمیت کے پیش نظر کہ بار بار اس پر کلام کیا جاتا ہے اور کچھ نتائج نکال کر اقبال پر چسپاں کیے جاتے ہیں۔ میری توجہ کتاب کی بحث "اقبال اور جستجوئے گُل" پر جائے گی۔

اِس سلسلے میں افتخار صاحب کے اخذ کردہ اس نتیجے سے متفق ہوں کہ ' مانند سحر ان کی جوانی بے داغ رہی ' اور ان کا دامن ہوا و ہوس کی آلودگیوں سے پاک رہا۔ نمائش جمال اور جنسی بے باکی کے سمندر میں کئی سال رہ کر اقبال نے اپنے دامن کو تر ہونے سے جس طرح بچایا ہے اس کی سی زریں مثالیں بہت کم ہیں۔ شعلوں کی طرح بھڑکتی جوانی اور تاروں کے جہان میں پرواز کرتی ذہانت کے ساتھ آزادی کی فضاؤں میں حُسن کے پیکروں سے میل جول اور پھر جسمانی سطح پر اپنا اس درجہ تحفظ کہ کوئی ثبوت آج تک کسی نوشتے میں بوس و کنار تک کا نہیں ہے۔ کس قدر حیرت ناک اور ہمت آفریں ہے۔ اقبال کی خودی اور خودداری جس پر عطیہ سر پیٹتی ہیں، اس کا کمال یہی تو ہے کہ اگر وہ روح ایمان رکھتی ہو تو پھر وہ گناہ کے بڑے بڑے ہیجانات و محرکات کو شکست دے دیتی ہے۔

اس باب میں صدیقی صاحب عطیہ اور ایما اور اقبال کے قلبی احوال کو بمع خارجی ماحول کے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اِدھر اور اُدھر قلبی میلانات جو کچھ بھی رہے ہوں، آخری نتیجہ وہ ہے جو تاریخ کے اسٹیج پر نمایاں طور پر موجود ہے۔ میں تو کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ عطیہ یا ایما کی خواہشات اگر پوری ہو جاتیں تو نہ جانے اقبال کی زندگی میں کیا قضیے اُبھرتے جو انہیں اعلیٰ درجے کا شاعر اور مفکر نہ بننے دیتے، علاوہ ازیں کشش اور بچھڑ جانے کہ ایک مستقل حاجز کا موجود ہونا فنی تخلیقات کے لیے جتنا زوردار محرک ہوتا ہے، آج اس کے جو شاندار نتائج ہمارے سامنے ہیں، وہ شاید کسی دوسری صورت میں مہیا نہ ہوتے۔

افتخار صاحب نے جہاں ان کے نشو و ارتقاء کے اور اسباب جمع کیے ہیں وہاں ان کا متروک کلام بھی جمع کر کے اس سے بھی اہم نتائج نکالے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ایسا بسیط کام جسے وہ "محیطِ اقبال" کا نام دینا چاہتے تھے، اب تک نہیں ہوا۔

یہ کتاب نہ صرف اقبالیاتی لٹریچر میں بلکہ اردو ادب میں قابلِ فخر اضافہ ہے۔ خدا کرے مؤلف اسے جلد مکمل کر سکیں۔

ہاں! ایک جگہ مقصد "لحمکَ لحمی" کا شعری استعمال اقبال کے ہاں سے پیش کیا گیا ہے۔ اس جملے سے معنیٔ شعر اخذ کیے تھے۔ حالانکہ یہ ہمارے ہاں کے محاورے کی طرح ہے کہ تمہارا خون اور میرا خون، تمہاری جان اور میری جان، تمہاری عزت اور میری عزت، تمہارا گوشت اور میرا گوشت ایک ہیں۔ یہ صرف انتہائی قرب و اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر صدیقی صاحب نے اس کے بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی۔ خاندانی تعلقات کو اکثر لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہمارا خون اور گوشت ایک ہے یا ہم ایک ہی گوشت اور خون سے بنے ہوئے ہیں۔

خوش نصیب ہی لوگ ہوں گے جو جرائم اور تفریحات اور ٹیلی وژن کے اس دور میں ایسی ٹھوس کاوش کو پڑھیں۔

خدارا اب ہم قارئین کو ٹائپ کی چھپائی سے نجات دلایئے اور کمپیوٹرائزڈ قسم کی نستعلیق خودکار طباعتی مشینوں سے اچھی کتابیں سجا سنوار کر دیجیے۔

سرورِ عالمؐ کے سفرِ مبارک از محمد کلیم ارائیں ۔ ناشر: مکتبہ تعمیرِ انسانیت، لاہور۔ ۴ سو سے زیادہ صفحات، مضبوط جلد اور رنگین گردپوش کے ساتھ۔

اِس کتاب کے نوجوان مؤلف ذوقِ تحقیق کے ساتھ عشقِ رسالتؐ بھی رکھتے ہیں۔ اِس سے پہلے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک راتوں پر ایک اچھی کتاب لکھ چکے ہیں جس کے ذریعے نہ صرف حالتِ قیام کی بلکہ حالتِ سفر اور حالتِ جنگ اور ہجرت اور بیعتِ عقبا اور دوسرے تاریخی مواقع کی راتوں کا ریکارڈ محفوظ کیا گیا ہے۔

اب حضورؐ پاک کے مبارک سفروں کا ذکر ہے۔ یہ عنوان ایک دفعہ نقوش رسولؐ نمبر کے سلسلے میں محمد طفیل مرحوم کے اکسانے سے میں نے اپنے لیے سوچا مگر مجھ ایسا مسافرِ وادیٔ فرائض قیام و سکون کے اتنے لمحے پا ہی نہ سکا کہ کام ہوسکتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے سوچے ہوئے عنوان پر محمد کلیم ارائیں نے ایک مفید کتاب لکھ دی ہے۔ شروع میں "معمولاتِ سفر" کا باب ہے۔ مگر ہے بہت مختصر! پھر کچھ سفر تجارت کے ہیں، کچھ دینی و تبلیغی! سفرِ معراج ہے، ہجرت کا سفر ہے، صُلح حدیبیہ والا سفر ہے، عمرۃ القضا کا سفر ہے، باقی بیشتر سفر جہاد کے سفر ہیں۔ آخر میں سفرِ حجۃ الوداع ہے۔ اور پھر سفرِ آخرت۔

نبیؐ پاک کی ساری زندگی سفر ہی سفر تھی۔ کبھی "پیدا سفر" اور کبھی "پنہاں سفر"، "ظاہر کا سفر" اور "باطن کا سفر"۔

جناب ابوطالب کے ساتھ تجارتی سفرِ شام میں شمولیت (بہ عمر ۱۲ سال ۲ ماہ) سیرت نگاروں کے ہاں بڑا اختلافی معاملہ ہے اور دونوں طرف زور و شور کی بحثیں ہیں۔ غیر مذہب کے بحیرا راہب کا آپ کو کچھ علامات سے پہچاننا اور عیسائیوں کا یہ پروپیگنڈا کہ ایک ۱۲ سالہ بچے کو مختصر ملاقات میں اُن کے پادری کا ایسی دینی تعلیم اور قدیم تاریخی واقعات کا شعور دے دینا کہ بعد میں جوان ہوکر وہ بچہ اسی تعلیم پر مبنی ایک دین پیش کرتا ہے ـــــ روایت کے خلاف یہ اعتراض اُٹھائے گئے ہیں۔ نیز ایک روایت میں حضرت بلال کا نام غلطی سے اس موقع پر آتا ہے۔ اِن وجوہ سے اس واقعہ کو بعض اصحاب نے کالعدم قرار دیا ہے۔ مگر میری طرح محمد کلیم آرائیں کی رائے بھی یہی ہے کہ حضورؐ نے یہ سفر کیا اور بحیرا راہب نے مذہبی نوشتوں اور قیافہ کی مدد سے قیاس آرائی کی۔ اتنی سی

بات میں کوئی خلل نہیں ہے۔

خوشی کی بات ہے کہ محمد کلیم صاحب نے اپنے تمام مندرجات و آرا کے متعلق حوالے جمع کر دیئے ہیں۔ مگر حوالے ثانوی کتابوں کے بجائے اصل کتب حدیث و سیر کے ہونے چاہئیں۔

اجتہاد | از مولانا محمد تقی امینی، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ ناشر: قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔ خوبصورت مجلد ۳۶۸ صفحات۔ قیمت ۴۸/- روپے

مولانا محمد تقی امینی صاحب کو برصغیر کے دینی مطالعہ کنندگان میں سے کون نہ جانتا ہوگا۔ تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری ہے۔ عربی میں بھی مقالات لکھے۔ انٹرنیشنل سیمینا روں میں بھی اپنی تحقیقاتیں پیش کیں۔

مولانا کا خاص اہم موضوعِ فکر اجتہاد ہے اور آج کے دور میں اس کی شدید ضرورت بھی ہے۔ میں نے ان کی جو تحریریں پہلے پڑھی ہیں اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کا مجملاً تاثر یہ ہے کہ مولانا کا جھکاؤ بجا طور پر نئے حالات اور نئے مسائل کے لیے اجتہاد کا ہے۔ لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ چونکہ ان کا ذوقِ فکر و تحقیق نص کے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے اس لیے اگر وہ کسی عبارت کی تعبیر میں زیادہ سے زیادہ گنجائش بھی پیدا کرتے ہیں تو اس سے وہ خطرہ نہیں پیدا ہوتا جو آج کل اجتہاد کے نام سے بعض افراد اور ادارے تجدد کا ایسا کام کر رہے ہیں کہ جس کی نوعیت ایک تخریبی فتنے سے کم نہیں ہوتی۔ اور دراصل وہ مغرب کی اختیار کردہ ایسی چیزوں کو حدودِ جواز میں لانے کے لیے کوشاں ہیں جو کفر و باطل کی تعریف میں داخل ہیں۔ بعض ہمارے کچھ دوست ـــ بلکہ ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے ـــ بے اصول اجتہاد کے خود ایجاد کردہ ورمے سے عین نصوصِ قرآن میں بھی چھید کرتے رہتے ہیں تا بہ حدیثِ رسالتؐ و اجماعِ اُمت چہ رسد۔ لیکن اس بگڑے ہوئے طبقے کے لیے بھی تقی امینی صاحب کی اپیل خاصی بہتر ثابت ہو سکتی ہے۔ مثلاً ان کی یہ گفتگو کتنی اچھی ہے کہ سلسلۂ اجتہاد تو جاری رہنا ہی ہے (ص ۲۳۷، ۲۳۸) کیا موجودہ وقت میں بھی مجتہد درکار ہے؟ اس کا جواب اجمالاً یہ ہے کہ "فقہ کی جدید

تدوین یا موجودہ دور کے مسائل حل کرنے کے لیے مجتہد منتسب جیسے عالی ظرف اور فراخ حوصلہ مجتہد کی ضرورت ہے کہ حالات و ضروریات کے پیشِ نظر دیگر ائمہ کے اُصول و فتاویٰ سے گریز نہ کرتا ہو، بلکہ دلیل و بصیرت کی روشنی میں ہر ایک سے استفادہ کر کے رہنمائی حاصل کرتا ہو" (ص ۳۵۴)

تقی امینی صاحب کا متقیانہ طرزِ فکر ملاحظہ ہو: انشورنس (زندگی کا بیمہ)، "کمرشل انٹرسٹ" وغیرہ جیسے مسائل اس کے ذریعے حل کیے جائیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بہ ہر صورت جواز کا حکم نکالا جائے بلکہ...... اس بارے میں شریعت کی جو حدود ہیں ان کی پوری رعایت کے بعد ہی جواز یا عدمِ جواز کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے" (ص ۳۶۰)۔ "اجتہاد میں نااہلوں کی رائے اور بلا کسی شرط و قید کے آزادانہ رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے" (ص ۳۶۳)۔ تقی صاحب اجتہاد کے لیے ایک مجلس کے قیام کے حق میں ہیں (ص ۳۶۴)۔ مگر ایک تو وہ اسے خاص طور پر مجلسِ اجتہاد بنانا چاہتے ہیں جس کا مفہوم پارلیمانی نوعیت کی مجلس جہاد کا تصور نہیں ہے۔ دوسرے وہ اسے اس طرز پر وجود میں لانے کے حق میں ہیں جیسی فقہ حنفی کی تدوین کے وقت تھی۔ یعنی غیرسرکاری اور تمام تر علما اور منتہی طلبا پر مشتمل۔

یہ چند جستہ جستہ اشارے کتاب کی صحیح اور جامع تصویر پیش نہیں کرسکتے۔ اس میں حدیث "اختلاف اُمتی" پر، حقیقت و مجاز کے دونوں پہلوؤں پر، صراحت و کنایت پر، ثبوت کے درجات پر، نصوص میں امر و نہی کے استعمالات پر، استصلاح کے بنیادی اُصول پر دیدہ بڑی قابلِ تعریف بحث ہے، تغیر احکام بہ تغیر زمان پر، اجتہاد کی صلاحیت اور اس کے لیے ضروری معلومات پر بڑی تفصیلی، علمی و فنی گفتگوئیں ہیں۔ ہم خاتمۂ کلام مولانا تقی امینی کی بیان کردہ اس تعریفِ اجتہاد پر کرتے ہیں جسے انھوں نے سلف سے لیا ہے:

- "احکامِ شرعیہ کی دریافت میں، یا اُن کی تطبیق میں خالی الذہن ہو کر انتہائی جد و جہد صرف کرنا" (ص ۲۴۱)
- احکامِ شرعیہ معلوم کرنے کے لیے پوری محنت اور جد و جہد صرف کرنا کہ یہ معلومات تفصیلی دلائل سے حاصل ہوتے ہیں جن کا مرجع کتاب و سنت، اجماع اور قیاس ہیں" (ص ۲۴۱)

نقی امینی صاحب کے اپنے الفاظ :-

فقیہہ انتہائی جدوجہد اور پوری محنت سے اس طرح نئے مسائل کا حل دریافت کرے یا موجودہ مسائل میں موقع ومحل پہ تطبیق کرنے کی صورت نکالے کہ ان کی بنیاد فقہی ماخذوں میں کسی پہ قائم ہو جائے اور پھر وہ مسائل ایک رشتہ میں منسلک اور ایک لڑی میں پروئے ہوئے نظر آئیں۔" (ص ۲۴۲)

اوراق از پریمی رومانی - ناشر: دیپ پبلیکیشنز، تپسیا آزاد بستی، نئی پورہ، سری نگر، کشمیر-
قیمت : ۴۰/- روپے

یہ چند تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جن کا تعلق زیادہ تر ایسے شاعروں کے فن پہ نظر ڈالنا ہے جن کے متعلق جناب مؤلف پریمی رومانی کا تصور یہ ہے کہ وہ جدید اُردو شاعری کے بانی ہیں یا بعض نے کلاسیک دَور اور جدیدیت کے درمیان پُل کا کام دیا ہے۔

یہ کتاب صرف چند مضامین کا مجموعہ ہے، کوئی باضابطہ کتاب نہیں جس میں موضوع طے کر کے جامع کام کیا گیا ہو، جو شعراء زیر گفتگو آئے ہیں وہ متفرق سے لگتے ہیں۔ کہیں ترقی پسندی کا اثر ہے، کہیں جدیدیت کا، کہیں خطیبانہ شاعری اور کہیں بغاوت۔ احسان دانش اور اقبال جیسے حضرات الگ ہی قبیل سے ہیں۔ اس کتاب میں پہلا مسئلہ تو درجہ بندی اور انتخاب کا ہے جس پہ نظر جاتی ہے۔ پھر فنی قدوقامت کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ اقبال اور سیماب اور جوش جیسوں کی صف میں ساجاودانی اور محمد علوی جیسے نوخیز دوست بھی شامل ہیں۔ جدیدیت کے اس قافلے میں زیادہ تر لوگ رومانویت پسند بلکہ جنس پرست بھی ہیں۔ کم ہی کسی کے ہاں کوئی اعلیٰ آدرش (ماسوا اقبال و احسان دانش) پوری طرح نمایاں محسوس ہو کر دل ونظر کو کھینچتا ہے۔ فن کا ایک مبتدیانہ موضوع اکثر کو آکاس بیل کی طرح لپیٹے ہوئے ہے۔ کہیں بیچ میں "انقلاب" کی آواز آجاتی ہے اور بس! سب اپنے اپنے نفسیاتی ہیجانات کے کھونٹے سے بندھے ہوتے ہیں۔

ایک مسئلہ پریمی صاحب کی مشقِ تنقید کا بھی ہے۔ ایک باصلاحیت نوجوان کا ہر حال میں ہمیں دل

بڑھانا چاہیے۔ مگر تنقید یہ نہیں کہ آپ کسی کے اشعار یا نثر پارے پیش کر کے ساتھ ذرا سا اظہار رائے کر دیں، بلکہ موضوعات ہوں یا کردار یا اسالیب ان میں بھلے بُرے کی جو ملاوٹ ہے ان دونوں کو نتھار کر الگ الگ کریں اور ان کا تقابلی مطالعہ کرائیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کے لیے ان کی آئندہ کتاب کا انتظار کرنا چاہیے۔

اس وقت تو یہی بڑی بات ہے کہ ان کا قلم کشمیر (بھارت) میں اس اُردو کی خدمت کر رہا ہے جو برصغیر میں ہندو مُسلم سماجی اور سیاسی رابطوں سے غیر مصنوعی طور پر وجود میں آئی۔ اُمید ہے کہ پریمی صاحب ان مخلصانہ باتوں سے کوئی غلط اثر نہ لیں گے۔

افکار کی خوشبو | از جناب اعجاز رحمانی - بہ اہتمام بزمِ قرطاس و قلم پاکستان۔ ملنے کا پتہ (۱) ۵-ای- ۷/۷ نیو کراچی - (۲) بی - ۱۶۰، بلاک ۱۰، گلشنِ اقبال، کراچی۔

اعجاز رحمانی کراچی کے حلقہ ہائے سخن میں نفوذ رکھنے والے جوان سال شاعر ہیں۔ نہ صرف اعلیٰ درجہ کے شعر کہتے ہیں بلکہ ان کو پڑھتے بھی بڑے اچھے ترنم سے ہیں۔ آواز میں زور ہے، لہٰذا اکثر اپنا رنگ جما لیتے ہیں۔ ایک خصوصیت ان کی یہ ہے کہ انہیں حضورؐ سے محبت ہے اور وہ خوبصورت نعتیں لکھتے ہیں۔ اب اسی محبتِ نبویؐ نے کام کے ایک ایسے راستے پر انہیں ڈالا ہے کہ انہوں نے ۲۵۰ احادیث مبارکہ کا منظوم ترجمہ "افکار کی خوشبو" کے نام سے پیش کیا ہے۔ ہر ورق پر اصل متن، پھر نثر میں اُردو ترجمہ اور بعد ازاں منظوم ترجمہ مندرج ہے۔ اس منظوم ترجمے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ بچے یا بڑے بہ آسانی اسے یاد کر سکتے ہیں۔

اس مجموعے کو میں نے دو حیثیتوں سے دیکھا ہے۔ ایک یہ کہ اُردو شاعری میں ترجمہ کرتے ہوئے حشو و زوائد کا نقص کہیں کہیں نمودار ہے۔ بعض جگہ ایک یا دو مصرعے حدیث کے اصل الفاظ سے زائد ہیں، دوسرے بعض ایسے مقامات جہاں حدیث میں زور دیا گیا ہے، اُردو میں وہ زور منتقل نہیں ہو سکتا۔ (مثلاً مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا ...... الخ والی حدیث، حالانکہ حدیث کے معاملے میں دو احتیاطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ لفظوں میں کمی بیشی نہ ہو اور دوسرے

یہ کہ جس بات پر جس طرح متن میں زور دیا گیا ہو، منظوم ترجمے میں بھی وہی زور باقی رہے۔

دوسرا مسئلہ شاعری کی لطافت کا ہے کہ اس کا کیا بنتا ہے۔ ہر کلام "موزوں" شاعری نہیں ہے۔ اس میں تخیل کی آمیزش سے ایک خاص لطافت پیدا کی جاتی ہے۔ ترجمۂ حدیث میں اس کا موقع نہیں۔ لہٰذا فی نفسہ حدیث کی عبارت تو ہزار درجہ زیادہ لطیف ہوتی ہے لیکن شاعر کی کاوش اس سے ورے ہی ورے رہ جاتی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ نوٹ میں نے لکھے۔ مگر پھر خیال آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فدائی اپنے جذبۂ دل کے تقاضے سے حضورؐ کے کلام کو اُردو شعر کا جامہ پہنا رہا ہے تو اب ایسے کام میں فنی جھمیلوں کو لے کر بیٹھ جانا اچھا نہیں لگتا۔

خدا کرے کہ اعجاز رحمانی کی نیتِ نیک کے ساتھ اس کا کام بارگاہِ الٰہی میں قبول ہو اور جو کمزوریاں رہ گئی ہوں، خدا انہیں معاف کرے۔

آیاتِ اَدب | از جعفر بلوچ۔ ناشر: مکتبہ عالیہ اُردو بازار، لاہور۔ قیمت: ۰۰ روپے

جعفر بلوچ کی ذہانت کے پودے پر ایک سے زیادہ فنی پھول کھل چکے۔ اس نے اپنا کلام بھی دیا اور دوسروں کے کلام کو بھی اس نے پیش کیا۔ مجھے اُمید ہوتی ہے کہ [illegible] وقدر اس نوجوان سے علم و فن کے دائرے میں کوئی بڑا کام لینا چاہتے ہیں۔

یوں تو یہ آیاتِ اَدب بھی ایک بڑا کام ہے۔ اس کتاب میں شعرائے لیہ و مظفر گڑھ کا تذکرہ ہے اس کی بنیاد علاقائیت کے جذبے پر نہیں۔ بلکہ جعفر بلوچ نے محسوس کیا کہ بہت سی علمی و ادبی شخصیتیں اپنے کمالات کے باوجود محض اس لیے نگاہوں سے اوجھل رہ جاتی ہیں کہ وہ دور افتادہ دیہاتی علاقوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے ذرائعِ ابلاغ کی محفلوں میں جگہ نہیں پا سکتیں۔ جعفر صاحب کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے شہروں میں رہ کر علم و ادب کی خدمت کرنے والے بعض لوگ بھی محض اس لیے گمنامی کی زندگی گذارتے ہیں کہ ذرائعِ ابلاغ کے چودھریوں کی انا کو وہ مناسب غذائے خوشامد مہیا نہیں کر سکتے۔

تو خیر جعفر صاحب نے بڑا اچھا کام کیا کہ ایک علاقہ جسے ہم ادبی لحاظ سے بنجر سمجھتے تھے۔ اس میں انہوں نے فن کی نہریں بہتی دکھادیں۔ حضرت زکریا ملتانی کو کون نہیں جانتا، راجہ محمد عبداللہ نیاز اور کشفی ملتانی سے اکثر ادبی مطالعہ رکھنے والے واقف ہوں گے، نواب زادہ نصر اللہ خاں ناصر کا تو وہی معاملہ ہوا کہ "شعر کہتے کہتے میں تلت کا لیڈر ہو گیا"۔ اسی طرح نسیم لیہ، خیال امروہوی، غافل کرنالوی، شہباز نقوی اور علیم صراطی سے ہم تعارف رکھتے ہیں۔ قبول نہ جائیے کہ جعفر بلوچ بھی اسی محفل میں ہیں۔

ہر شاعر و ادیب کے حالات لکھے گئے ہیں اور کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب ادبی تاریخ اور تنقید کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

بس ایک کسر رہ گئی۔ جعفر بلوچ صاحب نے یہ راز نہیں کھولا کہ ڈیرہ، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں کے دور افتادہ علاقوں میں شعر و فن کا اس زور شور سے ابھار کیوں ہوا؟

کیفِ حضوری | مجموعہ نعت از محترمہ نجم النساء منور علی بخاری نجم۔ ناشر: ادارۂ پیامِ اسلام، مرکز اشاعت اسلام نمبر ۱ سرور روڈ ملتان۔

"دیارِ حبیبؐ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا، دل نے جو کچھ ملا، زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یہ کیفِ حضوری کیسے ظاہر کروں۔ دل کے نہاں خانے میں احساس کا یہ نازک سا جذبہ شعاع نور بن کر میرے پورے وجود میں سما گیا۔"

سادات کے ایک علمی گھرانے کی چشم و چراغ کے تذکرہ الفاظ پڑھیے اور انہی سے اندازہ کر لیجیے کہ ان کی کتاب میں کیا ہوگا۔ احساس کی شدت اور بیان کی کوتاہی جب جمع ہوتی ہیں تو ایک پراسرار شاعری نمود پاتی ہے۔ ایسی ہی نعتیہ شاعری کا یہ مجموعہ ہے۔ دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

اسی کا ابتدا ہے، اسی کا اختتام ہے ۔۔۔ یہی تو نغمہ حسیں لبوں پہ صبح و شام ہے

درود ہی درود ہے، سلام ہی سلام ہے

ادب سے ہر قدم اٹھے، نظر میں احترام ہو حرم کی یہ زمین ہے، ادب کا یہ مقام ہے

درود ہی درود ہے، سلام ہی سلام ہے

اچھے کاغذ پر دو رنگا طباعت اور خوبصورت سادہ و رنگین دبیز آرٹ کور کے ساتھ ۸۰ صفحات کا یہ نور افروز مجموعہ ۲۰/- روپے میں تدریخریداراں ہے -

---

اوصافِ حمیدہ از پروفیسر عبدالغنی فاروق - ناشر: ادارۂ معارفِ اسلامی، منصورہ، لاہور - اچھی کتابت وطباعت، زوردار رنگین سرورق - صفحات: ۳۰۴ قیمت: ۴۵/- روپے -

یہ آپ جناب حمیدہ بیگم کی تحریکی داستانِ حیات پر مشتمل ہے جنہوں نے خواتین کے حلقوں میں بالکل ابتدا سے کام کرنے کی نئی نئی راہیں نکالیں اور بڑے خلوص سے کتاب وسنت کے احکام کے مطابق دعوتِ دین کو پھیلایا اور بے شمار خواتین کے علاوہ نوخیز طالبات کو ایمان وشعور سے مالا مال کیا۔ اس کتاب میں ان کے حالاتِ زندگی کے علاوہ ان کے کام کرنے کے طریقوں اور ان کے حسنِ اخلاق اور دلنوازیٔ گفتار کا بڑی تفصیل سے تذکرہ ملتا ہے۔ دلچسپی کی بات یہ بھی ہے کہ ایک پیکر کے مختلف پہلوؤں کو کئی رشتہ داروں اور خواتین نے دیکھا اور ان کی تحریروں اور رپورٹوں سے بہت سے مردوں نے بھی ان کے کمالات کو جانا اور پھر ان مختلف لوگوں نے اپنے اپنے طرز پہ تاثرات بیان کیے ہیں -

یہ ایک اہم ضرورت تھی جو پوری ہوئی - اس نقشِ اول سے اگر زیادہ بہتر چیز فاروق صاحب یا خواتین وطالبات تیار کر کے لاسکیں تو مزید نیکی ہوگی -

---

ذکریٰ ڈائجسٹ مدیر جناب محمد یوسف اصلاحی - دفتر: ماہنامہ ذکریٰ ڈائجسٹ، رام پور ۲۴۴۹۰۱ - قیمت فی شمارہ ۶/- روپے (بھارت)، بیرونی ممالک سے زرتعاون سالانہ بحری ڈاک سے ۱۵ ڈالر، ہوائی ڈاک سے ۲۵ ڈالر -

بھارت میں اردو کے جو رسائل دینی اقدار کے چراغ روشن رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک

ذکریٰ بھی ہے جو کئی سال سے اپنا فرض ادا کر رہا ہے - مضامین کی فہرست دیکھیں تو حدیث کے متعلق معلومات دی گئی ہیں، روس کے مسلمانوں میں بیداری کی لہر کا جائزہ لیا گیا ہے، ہندوؤں مسلمانوں دونوں کے لیے دین و دانش کی باتیں ہیں - سوال جواب کی بڑی اہمیت ہے، سیرت سرورِ عالم کی جھلکیاں بھی ہیں، نعتیں اور غزلیں اور کئی دیگر مضامین - اِس ادارے نے کئی کتب بھی شائع کی ہیں -

---

علوم القرآن | مدیر ڈاکٹر اشتیاق احمد ظِلّی - ادارتی مجلس مشاورت (۱۰ حضرات)
ادارہ علوم القرآن - پوسٹ بکس نمبر ۹۹، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲ - انڈیا -
فی پرچہ /۱۵ روپے (بھارت) سالانہ بھارت سے /۳۰ روپے - پاکستان سے /۷۵ روپے

یہ ششماہی رسالہ علمی و تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے - اس مرتبہ مولانا فراہی کی تفسیر سورہ لہب، کی حقیقت، قرآن مجید میں معرب الفاظ کی تحقیق، علامہ ابن تیمیہ کا تفسیری ورثہ، علوم قرآن ۷، اوین صدی کے ہندوستان میں، قرآن مجید کے ہندی تراجم، درّۃ التنزیل و غرّۃ التاویل کے مصنف کی تحقیق، تقویٰ، قرآنی مضامین کا اشاریہ، اور آخر میں چند تبصرے - یہ کوشش اگر حسب توقع ترقی کرتی گئی تو اس کے بڑے اثرات ہوں گے اور اس کی وجہ سے کتنے ہی افراد بہت کچھ بن کر میدان میں نکلیں گے - ہمارے مسلم معاشرے میں عدمِ استقلال، استعجال کی روش اور پھر جلد جلد بکھر جانے کی عادت ایسی چند خرابیاں ہیں کہ خدا کرے ان سے ادارہ علوم القرآن اور دیگر اچھی تنظیمیں اور ادارے بچ نکلیں - ہم اس کوشش کی دلی قدر کرتے ہیں اور خدا سے اس کی ترقی کے لیے دعا کرتے ہیں -

---

اسلامی نظام اور ہنگامی حالات | از جناب رانا صابر نظامی - ناشر: صدیقی پبلی کیشنز، ۲۹، او، ریواز گارڈن، لاہور - قیمت: /۳۰ روپے

رانا صابر نظامی سے ایسی ہی کتاب کی توقع تھی کہ اسلامی مسائل و مباحث کے متعلق پہلے ایک دریا سا بہتا نظر آتا ہے، پھر وہ کئی نہروں میں بٹ جاتا ہے اور پھر آگے کئی کھالے اور نالیاں بن جاتی ہیں - جانے کتنے ذہنوں کی زمینیں سیراب ہو جاتی ہوں گی - اسلامی احکام کی حکمتوں میں انھوں

نے بڑی شخصیتوں کا حصہ شامل کر دیا ہے ۔ اُوپر خلفائے راشدین ہیں ، نیچے امام ابوحنیفہؒ، شاہ ولی اللہؒ علامہ اقبالؒ، سیّد مودودیؒ اور مولانا عبدالستار سندھی کے حوالے ۔ کہیں شورائی نظام کی بحث ، کہیں کتابیہ سے نکاح کا مسئلہ ، کہیں چراگاہوں کے احکام ، کہیں جرابوں پر مسح ، کہیں قطبین کے نزدیک نماز روزہ کے اوقات پر گفتگو ۔ ایک چھوٹی سی کتاب میں زندگی بھر کے مسئلے سمیٹ دکھانا رانا صابر نظامی کا کمال ہے ۔ کئی لوگ اس سے فائدہ اُٹھائیں گے ۔

اسلام میں "وقف" کا مقام | ترتیب و پیشکش : ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ، ہمدرد سنٹر ، ناظم آباد کراچی ۔

"ہمدرد" کے تحت بہت سے وقف ادارے کام کرتے ہیں ۔ اور مزید بڑے بڑے ادارے قائم کیے جا رہے ہیں ۔ اس سلسلے میں ہمدرد والوں کو کچھ ایسی مشکلات کا سامنا ہوا کہ اگر اربابِ اختیار احکام شریعت سے آگاہ ہوتے تو وہ سب کچھ نہ ہوتا ۔

حکیم محمد سعید صاحب نے اس پر ایک انٹرنیشنل سیمینار کراچی میں طلب کیا (۱ تا ۲۰ مارچ ۱۹۸۸ء) متعدد علمائے دین ، فضلائے قوانین اور دانشورانِ عہدِ حاضر نے اپنے مقالات میں وقف کی حقیقت کو اسلامی اُصول و قواعد کی روشنی میں متعین کرنے کی نہایت مؤثر و کامیاب کوشش کی ۔ اور کچھ ہو یا نہ ہو ، مسئلہ وقف پر بہت اچھا کام ہو گیا ہے ۔

اس کی رپورٹ بزبانِ انگریزی ہمیں موصول ہوئی ہے ۔ اہل ذوق اسے ہمدرد سنٹر سے حاصل کر سکتے ہیں ۔

(بقیہ صفحہ ۲)

سے بڑی کی عمر دس سال ہے، بیٹا کوئی نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ زینی صاحب کو رحمت و مغفرت سے نوازنے کے بعد ان کی بیوہ اور کم عمر یتیم بچیوں کی اس بدکردار اور مفاد پرست زمانے میں پرورش و تربیت کے خاص اسباب پیدا فرمائے۔ خصوصاً زینی صاحب کے رشتہ داروں، دوستوں اور رفقائے مقصد کی ذمہ داریاں زیادہ بھاری ہیں۔ آخر سب اسی راہ کے مسافر ہیں۔

(بقیہ رسائل و مسائل صفحہ ۳۳)

محنت و مشقت کا نتیجہ تھا، اس کی پہلی قسط جب "نگار" میں نیاز صاحب کے نام سے شائع ہوئی تو میں نے اس پر سخت احتجاج کیا، تب باقی دو قسطیں میرے نام سے چھپیں۔

(مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی حصہ دوم

ص ۳۱۴، ۳۱۵ — خط نمبر ۲۲۱)

اس سلسلے میں ہماری اور کوئی تحقیق نہیں ہے۔ آپ تحقیق مزید کر سکتے ہوں تو کریں۔

اس خط کے مرتب کرنے میں محمد سلطان عاصم نعمانی کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے دلچسپی لی۔

(ف۔ ص)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰

اکتوبر ۱۹۸۹ء

خطباتِ یورپ

— از —

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

○ کتاب : جس کا آپ کو عرصے سے انتظار تھا

○ کتاب : جو رسائل کے دامن میں بکھر کر کھو گئی تھی

○ کتاب : جو معانی کا سمندر اور دعوتِ اسلامی کا قلزم اپنے دامن میں رکھتی ہے

○ کتاب : جو اسلام کی دعوت لے کر یورپ کی بستی بستی میں جانے کا جذبہ اور داعیہ پیدا کرتی ہے

○ کتاب : جو آپ کے بے شمار سوالات کے تسلی بخش جواب دیتی ہے

○ کتاب : جو ملحدانہ ماحول اور مادہ پرستانہ فضا میں توحید کی آواز بلند کرتی اور روحانیت کی شمع روشن کرتی ہے

○ کتاب : جو دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کی بانگِ درا ہے

○ کتاب : جس کے بغیر مولانا مودودیؒ کا لٹریچر آپ کے پاس نامکمل ہے

ضخامت: ۲۵۶ صفحات ○ سائز: ۲۰ × ۳۰ / ۱۶

قیمت: -/۱۸ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اُردو بازار ○ لاہور